بچوں کی دنیا
قیمت
30 روپے
اگست
2014

منظور شدہ محکمہ تعلیم
بانی: محمد امین شرقپوری
محمد سلیم شرقپوری
بچوں کی دنیا
نئی نئی پیاری پیاری کہانیوں کا مشہور باتصویر رسالہ
"بچوں کی دنیا" میں شائع کی گئی کہانیوں، نظموں اور فیچرز کے حقوق ایڈیٹر کے نام محفوظ ہیں، نقل واشاعت کی اجازت نہیں
جلد نمبر 66
شمارہ نمبر 8
اگست 2014ء
لکھنے والے
نعیم میاں
نورا کینہ قاضی
مقبول احمد دہلوی
مجیب ظفر حمیدی
پروفیسر محمد ظریف
ضیاء ساجد
امتیاز علی
چاند بی بی
عمران قریشی
مقصود ایاز
پروفیسر محمد سلیم خان
اور بہت سے دوسرے
ایڈیٹر
عمیر یوسف
اسسٹنٹ ایڈیٹر
اے محمود، حسن جمیل
قانونی مشیر
نعیم ملک ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)
یکے از مطبوعات
سلیم پبلیکیشنز، شاہ عالم گیٹ، لاہور۔۲۷
مقام اشاعت:
دفتر ماہنامہ "بچوں کی دنیا"
شاہ عالم گیٹ لاہور 27
قیمت:
30 روپے
زر سالانہ
عام ڈاک۔ /300
بذریعہ رجسٹری۔ /400
سالنامہ، کہانی نمبر اور خاص نمبر سمیت
محمد نعیم شرقپوری پبلشر نے ملک عید محمد پریس موہنی روڈ لاہور سے چھپوا کر "بچوں کی دنیا" شاہ عالم گیٹ، لاہور۔۲۷ سے شائع کیا!

حمد باری تعالیٰ

زمین آسماں اور دریا و شجر
چرندے پرندے حیوان و بشر
حسین یہ نظارے شام و سحر
سبھی کچھ خدا نے بنایا ہے یہ
چمن میں گلوں کی کیا مہکار ہے
ہر اِک لہلہاتا سا اشجار ہے
بہت گرم قدرت کا بازار ہے
سبھی کچھ خدا نے بنایا ہے یہ
ستاروں کے چلتے ہوئے کاروں
بتاتے ہیں قدرت والے کے نشاں
سجایا ہے جس نے یہ سارا جہاں
سبھی کچھ خدا نے بنایا ہے یہ

شاعر: ظفر محمود انجم

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے نبی ﷺ کی ہیں باتیں نرالی
بلند اُن کا رُتبہ، مقام اُن کا اعلیٰ
وہ شیریں سخن اور شیریں جاں تھے
وہ پیارے خدا کے جانِ جہاں تھے
وہ نبیوں میں رحمت لقب لے کے آئے
وہ دنیا پہ ابرِ کرم بن کے چھائے
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے
وہ قلب و نظر میں اُتر جانے والے
اُنھوں نے ہمیں راہِ حق تھی دکھائی
خلوص و محبت سے دُنیا سجائی
اب اُن سا جہاں میں ہوا ہے نہ ہوگا
غریبوں کا ہمدم، یتیموں کا مولا
وہ اُمت پہ اپنی بہت مہرباں تھے
خدا کی طرف سے وہ اِک سائباں تھے

شاعر: آغا سہراب لدھیانوی
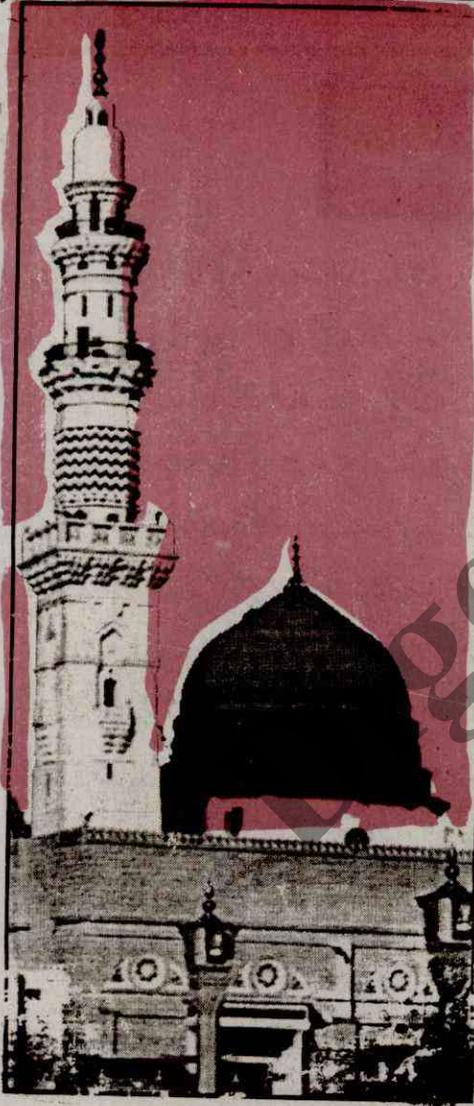
پیارے بچو! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

ماہنامہ "بچوں کی دنیا" کا تازہ شمارہ حاضر ہے۔ گذشتہ ماہ کا رسالہ ملک بھر کے بچوں نے بہت پسند کیا اور اپنی رائے کے اظہار کے طور پر ہمیں ڈھیروں خطوط بھی ارسال کیے ہیں جن میں نہ صرف رسالے کے معیار کو سراہا گیا ہے بلکہ رسالے میں مزید بہتری پیدا کرنے کیلئے مفید مشوروں سے بھی ہمیں نوازا گیا۔ موجودہ شمارہ خوفناک نمبر ہے۔ ہم نے اِس خوفناک نمبر کیلئے کئی ماہ تک تیاری کی اور ملک کے نامور رائیٹروں سے خصوصی فرمائش کر کے کہانیاں لکھواتے رہے۔ ہمارے رسالے کے مستقل لکھاریوں نے اِس مرتبہ خوب محنت کر کے اچھی اچھی کہانیاں تخلیق کی ہیں جنہیں پڑھ کر آپ لوگ ایک مدت تک فراموش نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے تصویروں کے معیار کو بھی پہلے سے بہتر کیا ہے۔ پیارے بچو! آپ کو ہم یہ بتاتے چلیں کہ بچوں کے رسالوں میں سب سے زیادہ خوفناک نمبرز ہم نے شائع کیے ہیں جنہیں ملک بھر کے بچوں نے نہ صرف پسند کیا بلکہ ریکارڈ تعداد میں خوفناک نمبر خریدے۔ اِس مرتبہ ہم نے خوفناک نمبر کو پچھلے تمام خوفناک نمبروں سے منفرد اور دلچسپ بنایا ہے۔ جب آپ رسالہ پڑھنے بیٹھیں گے تو آپ کو اِس امر کا اندازہ ہو جائے گا۔ اچھا بچو! اب اجازت چاہتا ہوں، خدا حافظ۔

آپ کا بھائی جان

ننھے کے کارنامے

تحریر: نعیم میاں

میرے اندازے کے مطابق کم از کم پون گھنٹہ لگا ہوگا اور پھر ننھے نے اُسے سمجھایا کہ جیسے ہی لوگ تم سے رابطہ کریں۔ تم اُن کی بات مان لینا اور انھیں ہر طرح ساتھ دینے کا یقین دلانا۔ تا کہ وہ تمہارے بیوی بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ ننھے نے ارشد کو تسلی دی اور خود باہر نکل آیا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ٹیوب ویل کس طرف ہے اس بات کا پتہ چلانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ اپنے ایک دوست کے گھر کی طرف بڑھا جو اس معاملے میں اُس کی مدد کر سکتا تھا۔

اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد اُس کے علم میں یہ بات آ گئی جنوب کی طرف ایک علاقہ بند روڈ ہے۔

اُس کے آگے جا کر ایک ٹیوب ویل لگا ہوا ہے۔

ننھے کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اگلا قدم کیا اٹھائے کیونکہ ابھی وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اُن لوگوں کا مقصد کیا ہے اور وہ ارشد کو کس طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھر آ گیا۔ تا کہ کھانا وغیرہ کھا کر کچھ دیر آرام کرتا۔ تب تک وہ لوگ بھی ارشد سے رابطہ کر لیں گے اور اُن کا مقصد بھی پتہ چل جائے گا گھر آ کر

ننھا نے تسلی سے کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی اُس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گیا۔ جب اُس کی آنکھ کھلی تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ ننھا اُٹھا اور نہا دھو کر گھر سے باہر آ گیا۔ ابھی تک اُسے ارشد کا فون نہیں آیا تھا۔ وہ بے مقصد سڑکوں پر گھوم رہا تھا کہ اچانک اُس نے سوچا کہ چائے پی لی جائے۔ یہ سوچ کر وہ قریبی ہوٹل میں گھس گیا۔ میز پر بیٹھ کر اُس نے چائے کا آرڈر دیا اور ارشد کے معاملے کے متعلق

سوچنے لگا۔ اِسی اثنا میں اُس نے دیکھا کہ تین خوش پوش آدمی ہوٹل میں داخل ہوئے ہیں اور اندر آ کر ننھے کے کچھ فاصلے پر پڑی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ بظاہر یہ معمولی بات تھی۔ اسی اثنا میں چائے آ گئی اور ننھا چائے کے مزے لینے لگا۔ چائے پیتے ہوئے ننھے نے دیکھا کہ اُن تینوں آدمیوں میں سے ایک فون پر کسی سے بات کر رہا ہے۔ ننھا اپنے دھیان میں چائے ختم کر کے اُٹھا اور جیسے ہی وہ اُن لوگوں کے پاس سے گذرا تو جو شخص فون پر بات کر رہا تھا۔ اُس کے منہ سے ارشد نام سن کر چونکا مگر پھر اپنے ذہن کو جھٹک کر باہر آ گیا۔ ابھی اُسے ہوٹل سے باہر آئے تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ اُس کے سیل فون پر ارشد کا نمبر آ گیا۔ ننھے نے فوراً کال ریسو کی۔ دوسری طرف ارشد تھا۔ ارشد نے اُسے بتایا کہ ابھی اُن لوگوں کا فون آیا تھا اور وہ اُسے ملنا چاہتے ہیں۔ ننھے نے ارشد کی بات سن کر اُسے تسلی دی اور کچھ ہدایات دے کر فون بند کر دیا۔

اچانک ننھے کے دماغ میں ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تینوں آدمیوں کا خیال آیا جو فون پر کسی سے بات کر رہے تھے اور پھر ان کے منہ سے ارشد بھی نکلا تھا۔ کہیں یہ وہی لوگ تو نہیں اور پھر ننھے نے کڑیاں ملائیں کہ وہ لوگ فون پر بات کر رہے تھے تو کچھ دیر بعد ہی ارشد کا فون آ گیا تھا۔ جس نے بتایا تھا کہ کچھ دیر پہلے ہی اُن لوگوں کا فون آیا تھا۔ ننھے نے دل میں سوچا کہ ہو نہ ہو اُن لوگوں کا ضرور ارشد کے معاملے میں ہاتھ ہے یا یہ وہی لوگ ہیں جو ارشد کو پریشان کر رہے ہیں یہ سوچ کر وہ تیزی سے ہوٹل کی طرف بڑھا۔ مگر اُسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ وہ لوگ وہاں سے جا چکے تھے۔

بہر حال ننھے کے دل میں اُن لوگوں کا سوچ کر بے چینی ضرور ہو رہی تھی۔ اُس کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ کہیں یہ وہی لوگ تو نہیں۔ اتنے میں ننھے کو ارشد کا فون موصول ہوا۔

(پھر کیا ہوا اگلے شمارے میں پڑھیں)

دیو کا بیٹا

ضیاء ساجد

ملک شام کا بادشاہ جبران بے اولاد تھا۔ اُس نے اولاد کی خاطر پچاس شادیاں کی تھیں۔ اِس کے باوجود اُس کے گھر اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اِس پر وہ غصے میں رہتا تھا

اُس کی عمر اب ساٹھ سال ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ اولاد کی طرف سے مایوس ہوگیا تھا۔ مایوسی کے باعث وہ عموماً سوچتا رہتا تھا کہ میرے مرنے کے بعد میرے تخت

پر غیر لوگ قبضہ کر لیں گے۔ اِس لئے کوئی ایسا بندوبست کرنا چاہیے جس سے کوئی شخص میرے تخت پر نہ بیٹھے۔ سوچ سوچ کر اُس کے ذہن میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔
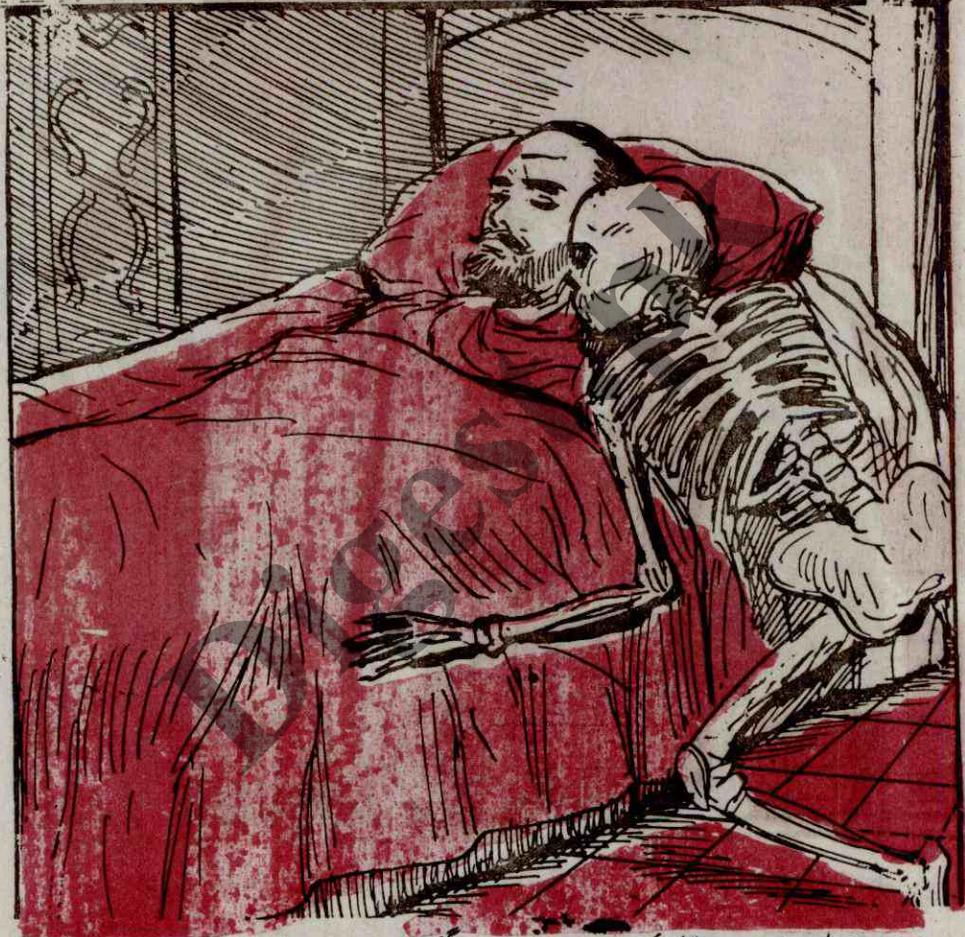
اِس ترکیب کے سوجھتے ہی جبران بادشاہ نے ایک روز جبکہ شاہی دربار لگا ہوا تھا، تخت پر بیٹھے بیٹھے چیخنا

شروع کردیا:

"بچاؤ بچاؤ! مجھے شطون دیو سے بچاؤ"

درباریوں نے جبران بادشاہ کو تخت پر اُچھلتے کودتے اور چیختے چلاتے دیکھا تو دوڑ کر اُس کے گرد جمع ہوگئے اور جبران بادشاہ کو ہوش میں لانے کیلئے مختلف تدابیر سوچنے لگے۔ آخر کچھ لمحوں بعد جبران بادشاہ نے

چیخنا چلانا اور اُچھلنا کودنا بند کر دیا۔ تب وزیراعظم مارال نے اُس سے پوچھا:

"جہاں پناہ! ابھی ابھی آپ کو کیا ہوا تھا؟"

جواب میں جبران بادشاہ نے کہا:

"ہمیں شطون دیو قتل کرنے کی کوشش کر رہا تھا"

وزیراعظم مارال حیران ہو کر بولا:

"جہاں پناہ! شطون دیو کیوں قتل کرنا چاہتا تھا آپ کو؟"

جبران بادشاہ نے جواب دیا:

"وہ ہمیں کہہ رہا تھا کیونکہ آپ بے اولاد ہیں۔ اِس لئے اِس ملک پر اب میں بادشاہی کروں گا"

درباریوں نے جبران بادشاہ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو خوف سے کانپنے لگے۔ اُنہوں نے جلدی سے جبران بادشاہ کے آگے ہاتھ باندھ کر کہا:

"عالی جاہ! شطون دیو کو تخت پر قبضہ نہ کرنے دیجیے گا۔ نہیں تو وہ ہم سب کو ہلاک کر دے گا"

جبران بادشاہ بولا:

"بھئی ہم اِس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔ شطون دیو بے حد طاقتور ہے۔ بھلا ہم اُسے تخت پر قبضہ کرنے سے روک کیسے سکتے ہیں؟"

جبران بادشاہ کے اِس انکشاف پر درباریوں کے رنگ اُڑ گئے۔ اُنہیں اپنی موت سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔ وہ دوبارہ ہاتھ باندھ کر جبران بادشاہ سے بولے:

"عالم پناہ! شطون دیو سے جان چھڑانے کیلئے فوراً کسی جادوگر کو طلب کر لیجیے"

جبران بادشاہ نے درباریوں کو جونہی یہ بتایا کہ شطون دیو نے ہمیں کہا ہے کہ اگر ہم نے کسی جادوگر کو بلایا تو میں اِس ملک کو تباہ و برباد کر دوں گا تو درباریوں کی ڈر کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ وزیراعظم مارال نے جبران بادشاہ کو سمجھایا کہ:

"جہاں پناہ! آپ شطون دیو سے شکست تسلیم نہ کریں بلکہ اب اگر آئے تو اُسے کہیں کہ ہمیں ایک سال کی مہلت دو۔ اگر پھر بھی ہمارے گھر اولاد نہ ہوئی تو بے شک شاہی تخت پر قبضہ کر لینا"

جبران بادشاہ وزیراعظم مارال کی رائے سن کر غصے سے بولا:

"اگر ایک سال بعد بھی ہمارے ہاں بچہ نہ ہوا تو پھر۔ جب اتنے برس تک نہ ہوا تو کیا اب ہو جائے گا؟"

وزیراعظم نے بڑے اعتماد کے ساتھ جبران بادشاہ کو یقین دلایا کہ:

"جہاں پناہ! آپ فکر نہ کریں۔ اب آپ کے ہاں اولاد ضرور ہوگی۔ اگر نہ ہوئی تو میرا سر قلم کر دیجیے گا"

وزیراعظم مارال نے یہ دعویٰ اِس انداز میں کیا کہ جبران بادشاہ کو وزیراعظم کی بات ماننا پڑی۔ چنانچہ اُس نے وعدہ کرلیا کہ اب شطون دیو آیا تو ہم اُس سے سال بھر کی مہلت لے لیں گے۔ اِس کے بعد جبران بادشاہ نے دربار برخاست کر دیا اور محل کے اندر چلا گیا۔

شام ہوئی تو وزیراعظم مارال ایک بے حد حسین لڑکی کو ساتھ لے کر جبران بادشاہ سے ملنے آگیا۔ جبران بادشاہ نے وزیراعظم کے ساتھ خوبصورت لڑکی دیکھی تو بولا:

"یہ لڑکی کون ہے؟"

جواب میں وزیراعظم مارال نے کہا:

"عالم پناہ! اِس لڑکی کا نام چاندنی ہے۔ میں اِسے آپ کی بیوی بنانے کیلئے لایا ہوں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ اِس لڑکی سے شادی کر کے آپ ضرور بچے کے باپ بن جائیں گے"

جبران بادشاہ کو وہ لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔ اِس لئے اُس نے مزید پوچھ گچھ کرنے کی بجائے وزیراعظم مارال سے کہا:

"ہمیں یہ لڑکی بہت پسند آئی ہے۔ ہم اِسے اپنی ملکہ بنانے پر تیار ہیں"

چنانچہ وزیراعظم مارال نے جبران بادشاہ کی شادی چاندنی سے کروادی۔ پھر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ سال بھر بعد چاندنی ملکہ نے ایک بیٹے کو جنم دے دیا۔ جبران بادشاہ اِس خوشخبری کو سن کر خوشی سے پاگل ہوگیا۔ اُس نے غریبوں پر شاہی خزانے کے دروازے کھول دیئے اور خوب دولت بانٹی۔ برسوں بعد اُس کے دل کی مراد پوری ہوگئی تھی۔ وہ بار بار بیٹے کو دیکھتا تھا اور خوشی سے تالیاں بجانے لگتا تھا۔ وزیراعظم مارال بیٹے کی پیدائش پر اُسے مبارکباد دینے آیا تو اُس نے وزیراعظم مارال کو بہت سا انعام واکرام دیا کیونکہ ملکہ چاندنی کو وزیراعظم مارال ہی ڈھونڈ کر لایا تھا۔ ملکہ چاندنی کی فرمائش پر جبران بادشاہ نے بیٹے کا نام "طاروت" رکھا۔

طاروت کو پیدا ہوئے ابھی ایک ماہ ہوا تھا کہ ایک روز رات کے وقت ایک بھیانک شکل والا دیو محل میں داخل ہوا اور جبران بادشاہ سے بولا:

"میرا بیٹا میرے حوالے کردو"

جبران بادشاہ گینڈے جیسے دیو کو دیکھ کر لرز گیا اور سہمی ہوئی آواز میں بولا:

"تم کون ہو اور ہمارا بیٹا کیوں لینا چاہتے ہو؟"

اِس کے جواب میں دیو نے کہا:

"میرا نام شطون دیو ہے اور میں اپنا بچہ اِس لئے لینے آیا ہوں کیونکہ یہ میری وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ وہ اِس طرح کہ تم نے اپنے درباریوں کے آگے میرا جھوٹا نام لیا تھا کہ میں تمہارے تخت پر اِس لئے قبضہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تم بے اولاد ہو جس پر تمہارے وزیراعظم نے تمہاری چامنی سے شادی کرا دی۔ اگر تم میرا نام لے کر اپنے درباریوں کو ڈراتے تو چامنی سے تمہاری شادی بھی نہ ہوتی، نہ تم باپ بن سکتے"

جبران بادشاہ پر شطون دیو کا خوف بری طرح طاری تھا۔ پھر بھی اُس نے ہمت سے کام لے کر کہا:

"تمہارا نام تو ہم نے یونہی لے دیا تھا۔ ہمیں قطعاً علم نہیں تھا کہ اِس دنیا میں کوئی شطون دیو ہے لہٰذا ہم بے قصور ہیں"

شطون دیو نے جبران بادشاہ کی وضاحت کو تسلیم نہ کیا۔ اُس نے کہا:

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں میرے بارے میں پتہ نہیں تھا یا یونہی اتفاق سے تمہارے منہ سے میرا نام نکل گیا تھا۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ کیونکہ یہ بچہ میری وجہ سے اِس دنیا میں آیا ہے۔ اِس لئے یہ میرا بیٹا ہے۔ میں اِسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ تم نے جو کرنا ہے کر لو"

یہ کہہ کر شطون دیو نے زور سے پھونک مار کر جبران بادشاہ کو بے ہوش کر دیا اور محل کے اُس کمرے میں چلا گیا جس میں ملکہ چامنی شہزادے طاروت کے ساتھ سو رہی تھی۔ اِس کمرے سے شطون دیو نے طاروت کو اُٹھایا اور محل سے غائب ہو گیا۔

چند گھڑیوں بعد جبران بادشاہ کو ہوش آیا تو وہ بھی ملکہ چامنی والے کمرے کی طرف بھاگا۔ اُس کمرے میں داخل ہو کر اُس نے دیکھا کہ ملکہ چامنی سوئی ہوئی تھی اور شہزادہ طاروت غائب تھا۔ یہ دیکھ کر جبران بادشاہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

جبران بادشاہ کے رونے کی آواز سن کر ملکہ چامنی بیدار ہو گئی، اُدھر محل کے سارے دربان اور چوکیدار اُس کمرے کے باہر اکٹھے ہو گئے۔ ملکہ چامنی نے جبران بادشاہ سے بچوں کی طرح رونے کا سبب پوچھا تو جبران بادشاہ نے اُسے سارا واقعہ سنا دیا۔ اِس داستان کو سنتے ہی ملکہ چامنی نے چونک کر اپنے پہلو کی طرف دیکھا اور شہزادے طاروت کو نہ پا کر وہ بھی بین کرنے لگی۔

اب کمرے کے باہر کھڑے دربانوں سے نہ رہا

گیا اور اُن کا سردار کمرے میں داخل ہو گیا جسے دیکھتے ہی جبران بادشاہ نے اُس سے کہا:

"وزیراعظم مارال کو فوراً ہمارے حضور پیش کرو"

دربارن جبران بادشاہ کا حکم سنتے ہی وزیراعظم مارال کی طرف دوڑ پڑا اور چند ہی لمحوں کے اندر اُسے لے کر آ گیا۔ جبران بادشاہ نے وزیراعظم مارال کو دیکھا تو دردناک آواز میں بولا:

"وزیراعظم! ہم لٹ گئے، ہم برباد ہو گئے۔ شطون دیو ہمارے بیٹے کو اُٹھا کر لے گیا ہے"

وزیراعظم مارال یہ سن کر حیران رہ گیا لیکن پھر جلدی سے جبران بادشاہ کو دوسرے کمرے میں لے گیا اور بولا:

"جہاں پناہ! آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ابھی جا کے گھمبیر جادوگر سے بات کرتا ہوں۔ وہ شطون دیو سے شہزادے طاروت کو حاصل کر کے ہمارے حوالے کر دے گا"

وزیراعظم مارال، جبران بادشاہ کو تسلی دے کر اُسی وقت گھمبیر جادوگر سے ملنے روانہ ہو گیا۔

گھمبیر جادوگر نامی گرامی جادوگر تھا۔ بہت سارے دیو اور جن اُس کے قبضے میں تھے۔ وہ نوکالی جنگل کے اندر ایک کٹیا میں رہتا تھا۔ وزیراعظم مارال گھوڑا دوڑاتا ہوا گھمبیر جادوگر کی کٹیا پر پہنچا اور اُس سے بولا:

"گھمبیر بابا! تمہاری بیٹی کے بیٹے شہزادے طاروت کو شطون دیو نے اغوا کر لیا ہے۔ اس لئے جلدی اپنے دیو شطون دیو کے تعاقب میں روانہ کر دو اور شہزادہ طاروت کو آزاد کراؤ ورنہ تمہاری بیٹی چامنی اور جبران بادشاہ رو رو کر اندھے ہو جائیں گے"

گھمبیر جادوگر نے جواب دیا:

"مارال! میں نے تمہیں کہا تھا کہ میری بیٹی کو جبران بادشاہ کی ملکہ نہ بناؤ۔ نہیں تو کوئی نہ کوئی مصیبت اُن پر ٹوٹ پڑے گی لیکن تم نہیں مانے تھے بلکہ یہی کہتے رہے کہ اگر جبران بادشاہ کے گھر اولاد نہ ہوئی تو شطون دیو اُس کے تخت پر قبضہ کر لے گا اور ملک کی تمام رعایا کو مار دے گا لہٰذا مجھے مجبوراً تمہاری بات ماننی پڑی اور میں نے اپنی اکلوتی پیاری بیٹی چامنی تمہارے حوالے کر دی تھی کیونکہ جادو کے ذریعے مجھے پتہ چل چکا تھا کہ میری بیٹی کی شادی کسی بادشاہ سے ہو گی اور وہ ایک بیٹے کی ماں بنے گی مگر بارہ برس تک اپنے بیٹے کی شکل نہیں دیکھ سکے گی۔ اُس وقت میں نے تمہیں یہ تو بتا دیا تھا کہ میری بیٹی سے شادی کرنے کے بعد جبران بادشاہ بیٹے کا باپ

بن جائے گا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ شطون دیو بچے کو اُٹھا کر لے جائے گا تا کہ تمہارے ذریعے یہ بات جبران بادشاہ تک نہ پہنچے اور وہ شطون دیو کا نام سن کر خوف سے پاگل نہ ہو جائے۔ اب بات یہ ہے کہ شہزادہ طاروت کو شطون دیو سے آزاد کرانا بہت مشکل ہے۔ میرے جادو کے مطابق وہ لازمی طور پر شطون دیو کے قبضہ میں رہے گا اور بارہ برس بعد خود ہی آزاد ہو کر واپس پہنچ جائے گا۔ اِس لئے میں اِس سلسلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

وزیرِ اعظم مارال نے گھمبیر جادوگر کی طرف سے مایوس ہو کر سوچا کہ جبران بادشاہ کے پاس کس منہ سے جاؤں۔ میں تو اُسے تسلی دے کر آیا کہ فکر نہ کریں، شہزادہ طاروت شطون دیو کی قید سے رہا ہو جائے گا۔ اب اگر میں نے جبران بادشاہ کو بتایا کہ شہزادہ طاروت بارہ برس تک واپس نہیں آئے گا تو بادشاہ یہ سنتے ہی فوت ہو جائے گا۔ جب وزیرِ اعظم مارال کی اُلجھن دُور نہ ہوئی تو اُس نے فیصلہ کیا کہ مجھے آپ ہی شطون دیو کا پیچھا کرنا چاہیے۔ اگر شطون دیو نے مجھے مار دیا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے جبران بادشاہ کا نمک حلال کر دیا اور اگر میں نے شہزادہ طاروت کو آزاد کرا لیا تو جبران بادشاہ مجھے ڈھیروں انعام دے گا۔

چنانچہ وزیرِ اعظم مارال نوکالی جنگل سے نکل آیا اور شطون دیو کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے ایک ویران وادی میں اُسے رات پڑ گئی۔ اُس نے گھوڑے سے اُتر کر زمین پر کپڑا بچھا دیا اور سو گیا۔ دوبارہ اُس کی آنکھ اُس وقت کھلی جب سورج کافی اُوپر آ گیا تھا۔ اُس نے بیدار ہوتے ہی دیکھا کہ جدھر ایک بھاری پتھر کے ساتھ اُس نے گھوڑے کو باندھا تھا تو اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اُس کا گھوڑا غایب تھا۔

وزیرِ اعظم مارال کو گھوڑے کی گمشدگی پر سخت پریشانی ہوئی۔ وہ سوچنے لگا کہ رات سونے سے پہلے میں نے گھوڑے کو بھاری پتھر کے ساتھ باندھا تھا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا۔ اِسی وقت اُس کے کانوں سے کسی دیو کے بھیانک قہقہے ٹکرائے۔ وزیرِ اعظم مارال اِن قہقہوں کو سن کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تب قہقہے لگانے والے دیو نے گرج دار آواز میں کہا:

"اے کمزور انسان! کیوں میرے ہاتھوں مرنا چاہتا ہے۔ کیا تم نے گھمبیر جادوگر کے منہ سے نہیں سنا کہ شہزادہ طاروت کو بارہ برس سے پہلے کوئی مائی کا لال میرے قبضے سے رہا نہیں کرا سکتا۔ وہ میرا بیٹا ہے اور میرا بیٹا بن کر رہے گا۔ تم نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ گھمبیر

جادوگر کی بیٹی سے میں شادی کرنا چاہتا تھا لیکن تم نے اُس کی شادی اپنے بادشاہ سے کرادی جو سراسر غلط حرکت تھی لہٰذا میں نے چامنی کا بیٹا اغوا کرلیا ہے تاکہ اُسے اذیت پہنچے۔ دوسرے میرے قبضے میں چامنی کی کوئی نشانی بھی رہے"

شطون دیو اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو وزیراعظم مارال نے اُس سے کہا:

"ٹھیک ہے۔ میرا گھوڑا میرے حوالے کردو تاکہ میں واپس چلا جاؤں"

اِس مطالبے کے جواب میں شطون دیو نے زبان سے کچھ نہ کہا البتہ اُس کے بھیانک قہقہے اِس ویرانے میں گونجنے لگے۔ تبھی وزیراعظم مارال کا گھوڑا اُس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

وزیراعظم مارال اُس پر سوار ہوا تو گھوڑا سرپٹ بھاگنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے گھوڑا ایک دم زمین سے بلند ہوا اور فضا میں اُڑنے لگا۔ اِس سے وزیراعظم مارال سمجھ گیا کہ یہ اُس کا گھوڑا نہیں بلکہ کوئی دیو ہے جو گھوڑا بنا ہوا ہے۔ یہ خیال آتے ہی وزیراعظم مورال ہوشیار ہوگیا۔ اُس نے جلدی سے گھوڑے کی گردن کے بال مضبوطی سے پکڑے تاکہ گھوڑا اُسے گرانہ سکے۔

بہت اُوپر بادلوں کے پاس جا کر گھوڑے نے اپنے بدن کو زور زور سے جھٹکے دینے شروع کردیئے تاکہ وزیراعظم مارال زمین پر گر کر چکنا چور ہوجائے لیکن مارال نے گھوڑے کی یہ کوشش اپنی عقل مندی اور بہادری سے ناکام بنادی۔ اُس نے گھوڑے کی گردن کے بالوں کو پوری قوت سے پکڑے رکھا جس پر مجبوراً گھوڑا سیدھا ہو کر آرام سے اُڑنے لگا اور مارال کو ایک اُونچے پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا۔ شطون دیو کا قلعہ اسی پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔

وزیراعظم مارال جونہی گھوڑے سے اُترا ایک ہاتھی کے کانوں جتنے بڑے پروں والی تتلی اُس جگہ نمودار ہوئی۔ اُس نے آتے ہی مارال کو اپنے مضبوط پروں کے قبضے میں لے لیا اور اُٹھا کر شطون دیو کے قلعے میں لے گئی۔ قلعہ اندر سے بڑا خوفناک تھا۔ جگہ جگہ انسانی ہڈیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور اژدھے گھوم رہے تھے۔ وزیراعظم مارال بے حد ذہین اور بہادر تھا۔ وہ اِن دہشت ناک چیزوں کو دیکھ کر بالکل نہ ڈرا بلکہ اُس طرف بڑھنے لگا جدھر کمرے تھے۔

صحن کو طے کر کے جونہی مارال کمروں قریب پہنچا تو اُسے شطون دیو کی غضبناک آواز سنائی دی:

"اے بدبخت انسان! کیا اب بھی تمہیں عقل نہیں

آئی۔ تمہیں کہہ جو دیا ہے کہ طاروت میرا بیٹا ہے۔ پھر تم کیوں اُسے مجھ سے واپس لینا چاہتے ہو۔ کیا تم جانتے نہیں کہ میں دنیا کا سب سے طاقتور دیو ہوں۔ اگر چاہوں تو تمہیں دو انگلیوں میں مسل سکتا ہوں"

وزیر اعظم مارال نے شطون دیو کو غصہ دلانے کیلئے کہا:

"مجھے تو عقل آگئی ہے مگر شہزادے طاروت کا نانا گھمبیر جادوگر بہت غصے میں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شطون دیو میری بیٹی کے بیٹے کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔ اِس لئے میں اُس کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں واپس گھر جانے لگا تھا لیکن تمہارا گھوڑا مجھے یہاں لے آیا"

شطون دیو گھمبیر جادوگر کا نام سن کر آگ بگولہ ہوگیا۔ اُس نے مارال سے کہا:

"میں اِس چوہے جادوگر کو اِس بدمعاشی کا مزہ چکھا دوں گا"

یہ کہہ کر شطون دیو ایک کمرے سے نکلا اور غصے میں پھنکارتا ہوا گھمبیر جادوگر کو سزا دینے کیلئے اُڑ گیا۔ مارال شطون دیو کے جاتے ہی اُس کمرے میں گھس گیا جس میں سے شطون دیو نکلا تھا تو کیا دیکھتا ہے کہ شہزادہ طاروت ایک چارپائی پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ مارال نے جلدی سے آگے بڑھ کر طاروت کو اُٹھالیا اور قلعے سے باہر آگیا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں شطون دیو گھمبیر جادوگر کو سزا دے کر جلد لوٹ نہ آئے۔

وہ قلعہ سے باہر نکلا ہی تھا کہ بڑے زور سے آندھی چلنے لگی۔ مارال نے اِس آندھی سے بچنے کیلئے بہتری کوشش کی مگر آندھی نے اُسے خالی کاغذ کی طرح اُڑانا شروع کر دیا اور دور ایک خوبصورت باغ میں پہنچا دیا۔ مارال شہزادہ طاروت سمیت اِس باغ میں آندھی کی وجہ سے گرا تو اُسے زیادہ چوٹ نہ آئی۔ وہ تیزی سے کھڑا ہوگیا اور چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ اِسی دوران باغ کے اندر اُسے ایک کُٹیا نظر آئی۔ وہ ڈرتا ڈرتا اِس کُٹیا میں داخل ہوا تو حیرت کی شدت سے اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیونکہ کُٹیا کے اندر ایک چارپائی پر ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ مارال ڈھانچے کے خوف سے بے ہوش ہوجاتا وہ ڈھانچہ بول پڑا۔ اِس ڈھانچے نے مارال سے کہا:

"ڈرو نہیں دوست۔ آندھی بھیج کر میں نے ہی تمہیں یہاں بلایا ہے۔ اب کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"

انسانی ڈھانچے کو بولتا دیکھ کر مارال کی ٹانگیں خوف

سے کانپنے لگیں۔ اُس نے دل مضبوط کر کے انسانی ڈھانچے سے پوچھا:

"جناب! آپ کون ہیں؟"

انسانی ڈھانچہ بولا:

"میں شطون دیو کا جانی دشمن کولان ہوں۔ میں شطون دیو کو ہلاک کرنے کیلئے سو سال پہلے گھر سے نکلا تھا اور جگہ جگہ شطون دیو کو تلاش کرتا رہا تاکہ اُسے مار کر اُس کی ہڈیوں کا سرمہ بنادو کیونکہ میری غیر موجودگی میں اُس نے میری معصوم بہن کو قتل کر دیا تھا۔ اُس روز سے میں اُس کے پیچھے لگ گیا ہوں تاکہ اُس سے انتقام لے سکوں لیکن یہ میرے ہاتھ نہ آیا۔ اِسی عرصے میں مجھے موت آ گئی اور میں اِس کٹیا میں مر گیا۔ اِس کا مجھے افسوس تو بہت ہوا پر میرے دل کو اطمینان تھا کہ کوئی انسان شطون دیو کو ضرور مارنے نکلے گا جو ہوسکتا ہے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کرنا کام ہوجائے۔ چنانچہ میری آنکھیں ہر طرف شطون دیو کے قلعے کے اُوپر اُڑتی رہتی تھیں اور ہر بات کا دھیان رکھتی تھیں۔ آج اُنہوں نے مجھے اطلاع دی کہ ایک انسان قلعے سے معصوم بچہ لے کر نکلا ہے لہٰذا آندھی بھیج کر میں نے تمہیں اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اب مجھے اُمید ہے کہ شطون دیو تمہیں تلاش کرتا ہوا اِدھر آئے گا اور میں اُس سے اپنا انتقام لے لوں گا"

وزیراعظم مارال نے اِس انسانی ڈھانچے کی روداد سنی تو بولا:

"کولان صاحب! آپ شطون دیو سے انتقام کیسے لیں گے۔ آپ تو چارپائی سے ہل نہیں سکتے؟"

جواب میں کولان نے کہا:

"عام حالات میں تو میں واقعی ہل نہیں سکتا مگر جونہی مجھے شطون دیو کی بو آئے گی میرے اندر خودبخود طاقت آجائے گی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ چناری بزرگ نے میرے بدن پر پھونک ماری ہوئی ہے۔ چناری بزرگ بھی اب فوت ہو گئے ہیں۔ وہ بڑے نیک اور کرامات والے بزرگ تھے۔ یہ جو میں باتیں کر رہا ہوں اور آندھی چلا لیتا ہوں، یہ سب کچھ چناری بزرگ کی دی ہوئی دُعاؤں کا نتیجہ ہے"

یہ کہہ کر کولان نے وزیراعظم مارال سے پوچھا:

"اے بھائی! تم شطون دیو کے قلعے میں داخل کیوں ہوئے اور یہ تم نے بچہ کس کا اُٹھا رکھا ہے"

جواب میں وزیراعظم مارال نے شروع سے آخر تک ساری کہانی کولان کو سنادی۔

عین اِسی لمحے وہ باغ ایک زوردار دھماکے سے لرز

اُٹھا۔ پھر اگلے ہی لمحے شطون دیو وزیراعظم مارال کے سامنے آکھڑا ہوا اور اُسے شعلے اُگلتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر بولا:

''تم نے میرے ساتھ جھوٹ کیوں بولا کہ گھمبیر جادوگر میری اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ گھمبیر جادوگر تو کانوں کو ہاتھ لگا کر کہہ رہا تھا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اِس کا مطلب ہے کہ تم انتہائی مکار شخص ہو۔ مجھے اُدھر روانہ کر کے میرے بیٹے طاروت کو یہاں اُٹھا لائے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں ابھی تمہاری گردن مروڑتا ہوں''

یہ کہہ کر شطون دیو غصے کے ساتھ وزیراعظم مارال کی طرف بڑھا مگر اِس سے پہلے ہی چارپائی پر پڑے کولان کے ڈھانچے نے بڑی پھرتی سے چھلانگ ماری اور اپنی انگلیوں کی ہڈیاں شطون دیو کے پیٹ میں یوں گھسیٹر دیں کہ جیسے زہریلے تیر ہوں۔ شطون دیو کے پیٹ میں کولان ڈھانچے کے ہاتھوں کی دس کی دس انگلیاں گھسیں تو اُس کے پیٹ سے خون کے فوارے بہنے لگے۔ اُس نے دردناک چیخیں مارنی شروع کر دیں۔ پھر وہ زیادہ لہو بہہ جانے کے باعث غش کھا کر گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اِس کے ساتھ کولان کا ڈھانچہ بے جان ہو کر زمین پر گر گیا۔

شطون دیو کے ہلاک ہو جانے کے بعد وزیراعظم مارال شہزادے طاروت کو لے کر ملک شام کو چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے جب شہزادے طاروت کو جبران بادشاہ اور ملکہ چاندنی کے حوالے کیا تو بادشاہ اور ملکہ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ اُنہوں نے بیٹے کو سینے سے چمٹا لیا۔ پھر جبران بادشاہ نے وزیراعظم مارال کو بہت سا انعام دے کر خوش کر دیا۔

لطیفہ

استاد (شاگرد سے) ''اب تم تمام اقوام کے بارے میں اچھی طرح جان گئے ہو۔ یہ بتاؤ کہ چینی اور مصری میں کیا فرق ہے؟''

شاگرد: (معصومیت سے) ''کوئی خاص فرق نہیں۔ دونوں میٹھی ہوتی ہیں اور شربت بنانے میں بہت کام آتی ہیں''

مرسلہ: شہزادہ ذوالفقار فیصل آباد

پرویز خان

ساتواں شہزادہ

کسی زمانے کی بات ہے کہ چین پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے۔ جب سب شہزادے جوان ہوئے تو بادشاہ کو ان کی فکر لاحق ہوئی۔

چنانچہ بادشاہ نے سب کے لیے ان کے پسند کی شادیاں کرا دیں۔ کچھ عرصہ تو شہزادے بادشاہ کے ساتھ رہے لیکن بعد میں ان میں ضد شروع ہوگئی۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک سات

منزلہ عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جب چھ منزل ہو گئیں تو ساتویں منزل تیار نہ ہو سکی۔ کیونکہ ساتویں منزل جب بھی تیار ہوتی گر جاتی۔ اس لیے بادشاہ بہت پریشان ہوا۔

ایک دن بادشاہ اپنے محل میں پریشان بیٹھا تھا کہ وہاں سے ایک فقیر کا گزر ہوا۔ اس نے جب بادشاہ کو پریشان دیکھا تو اس سے پوچھا۔

''بادشاہ سلامت! اگر آپ ایک بات کی اجازت دیں تو پوچھوں۔'' بادشاہ نے جواب دیا۔ ''آپ نے جو بات کہنی ہے بے دھڑک کہہ دیجیے۔'' فقیر نے بادشاہ سے سوال کیا۔ ''آپ کیوں پریشان اور فکر مند ہیں۔'' بادشاہ نے جواب دیا۔ ''آپ میری پریشانی حل نہیں کر سکتے۔'' جب فقیر نے بہت اصرار کیا تو بادشاہ نے سب بات بتا دی۔ فقیر نے پوچھا۔ ''آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟'' بادشاہ نے جواب دیا۔ ''میرے سات بیٹے ہیں''۔ فقیر نے پوچھا ''کیا ان کی شادیاں ہو چکی ہیں؟'' تو بادشاہ نے جواب دیا۔ ''جی ہاں سب سے چھوٹے شہزادے کی بیوی کا خون۔ ساتویں کی دیوار پر چھڑک دیں تو محل تیار ہو جائے گا۔''

بادشاہ بہت پریشان ہوا اور فقیر چلا گیا۔ بادشاہ کی پریشانی میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آخر بادشاہ نے ملکہ سے پوچھا کہ میں کیا کروں تو ملکہ نے کہا۔ ہم چھوٹے شہزادے سے پوچھیں گے۔ صبح انہوں نے شہزادے سے پوچھا تو شہزادہ بہت ناراض ہوا اور اس نے فقیر کا مذاق اڑایا۔ کچھ دن بعد بادشاہ اور ملکہ نے شہزادے سے اس بارے میں پھر بات کی تو شہزادے نے جواب دیا کہ میرے علاوہ میرے چھ بھائی اور ہیں۔ آپ ان کی بیگمات میں سے کسی کا خون چھڑک دیں۔ آپ میری بیوی کی جان کے دشمن کیوں بن رہے ہیں۔ اس لیے میں اس ملک میں نہیں رہ سکتا اور شہزادہ اپنے ملک اور محل کو خیر باد کہہ کر اپنی بیوی کے ساتھ اس ملک کو چھوڑ کر چلا گیا۔ انہوں نے اپنے لیے دو گھوڑے خریدے۔ شہزادے کے پاس پہلے ہی ایک تلوار اور تیر کمان موجود تھے۔ کئی دن کے سفر کے بعد شہزادہ اور اس کی بیوی ایک جنگل میں پہنچے اور انہوں نے پانی پیا اور شہزادہ سو گیا۔ لیکن اس کی بیوی جاگ رہی تھی۔ ابھی شہزادے کو سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ وہاں ایک آدم خور پانی بھرنے آیا اس نے جب شہزادے کو دیکھا تو اپنے بادشاہ کو اطلاع دینے کے لیے بھاگا لیکن اس کی ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا۔ شہزادے کی بیوی نے جلدی سے شہزادے کو جگایا۔ شہزادے نے آدم خور کا نشانہ لیا لیکن تیر

اس کی مشک کو لگا اور وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے جا کر اپنے بادشاہ کو اطلاع دی کہ ایک آدم زاد نے مجھ پر حملہ کیا لیکن اس کا تیر میری مشک کو لگا۔ جس سے اس میں سوراخ ہو گیا۔ ایک آدم زاد نے بغیر اجازت کے ہمارے جنگل میں قدم رکھا ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ جھوٹ ہے۔ کسی کی یہ جرأت نہیں کہ بغیر ہماری اجازت کے ہمارے جنگل میں قدم رکھے۔ آدم خور نے جواب دیا کہ آپ خود جا کر کنوئیں کے پاس دیکھ لیں۔ جب بادشاہ وہاں پہنچا تو شہزادے اور اس میں جنگ ہوگئی اور جنگ شہزادہ جیت گیا۔ کیونکہ اس نے تمام سپاہیوں کو کہا تھا اس کو کچھ نہ کہنا۔ اس سے شہزادے کی طاقت کا اندازہ ہو گیا۔

چنانچہ اس نے کہا اے لڑکے جو تو کہے گا ہم وہ کریں گے آج سے تم ہمارے قبیلے میں رہو گے لیکن شہزادے نے جواب دیا۔ میرے لیے قبیلے سے دور گھر بنایا جائے میں وہاں رہوں گا۔ اگر تمہارے قبیلے کے کسی آدمی نے کسی کام میں میرا راستہ روکا تو میں بے دریغ اسے قتل کر دوں گا خواہ وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں۔ بادشاہ نے یہ شرط قبول کر لی۔

اب شہزادہ سکون سے رہنے لگا وہ روز شکار کرنے جاتا۔ ایک دن اس کی بیوی نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ شکار کرنے جانا چاہتی ہوں چنانچہ اس نے مردوں کے کپڑے پہنے اور شہزادے کے ساتھ شکار کرنے چلی گئی۔ لیکن شہزادہ اس سے بہت آگے نکل گیا۔ شہزادے کی بیوی نے آدم خوروں کے بادشاہ کو دیکھا جو وہاں سے جا رہا تھا۔ جب بادشاہ نے شہزادے کی بیوی کو دیکھا تو بھاگنے لگا لیکن اس نے اسے آواز دی اور جب وہ اس کے قریب آیا تو یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ یہ تو شہزادے کی بیوی ہے۔ جس نے مردانہ لباس پہنا ہے۔ شہزادے کی بیوی نے اس سے کہا۔ "میں آپ کے مقابلے سے بڑی متاثر ہوں۔ اگر آپ تھوڑی سی کوشش کرتے تو شہزادے کو شکست دے سکتے تھے۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ یہ کہہ کر چلی گئی لیکن آدم خور اب شہزادے کو قتل کے بارے میں سوچتا رہا۔ ایک دن اس نے شہزادے کی بیوی سے کہا۔ "آپ شہزادے کو کسی طریقے سے باندھ لیں اور پھر میں شہزادے کو قتل کر دوں گا۔"

جب شہزادہ شکار کر کے واپس آیا تو اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ میں آپ کو طاقتور اس وقت مانوں گی جب میں آپ کو باندھ لوں گی اور آپ اپنی طاقت سے اپنے آپ کو کھول دیں۔ جب اس نے شہزادے کو باندھ دیا تو

اس نے آدم خور کو بلایا اور جب آدم خور شہزادے کے قریب پہنچا تو وہ گھبرایا۔ لیکن شہزادے کی بیوی نے اس سے کہا اگر تم اسی طرح گھبرائے تو شہزادہ مجھے اور تم کو قتل کر دے گا۔ اس لیے ہم دونوں شہزادے کو زندہ ہی ایک گڑھے میں گرا دیں گے اور اوپر سے کوڑا اور مٹی گرا دیں گے۔

چنانچہ وہ دونوں اس سازش میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے شہزادے کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ جب انہوں نے شہزادے کو ایک گڑھے میں گرا دیا اور شہزادہ نیچے گرا تو کچھ دیر بے ہوش رہنے کے بعد جب اسے ہوش آیا تو اس نے کافی کوشش کے بعد رسیاں کھول دیں اور بہت کوشش کی کہ وہ باہر نکلے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر بھی اس نے ہمت کر کے کوشش کی وہ کامیاب ہو گیا لیکن اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بچاؤ بچاؤ کی آوازیں شروع کر دیں۔ وہاں سے ایک تاجر گزر رہا تھا۔ اس نے جب یہ آواز سنی تو گھبرایا۔ لیکن اس نے ہمت کر کے کوڑا وہاں سے اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیا تو نیچے سے شہزادہ نکل آیا۔ شہزادے کو بہت غصہ آیا کہ اس کی بیوی نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ جب وہ جانے لگا تو قبیلے کے ایک آدمی نے اس کو دیکھ لیا۔ وہ بھاگا بھاگا بادشاہ کے پاس گیا اور ان کو اس بات سے آگاہ کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ شہزادے کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں، اس کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں۔ اب وہ ہم سے مقابلہ نہیں کر سکے گا کیونکہ اب اس میں وہ طاقت نہیں رہی جو پہلے تھی۔

چنانچہ تمام سپاہیوں نے سپاہیوں نے شہزادے کو گھیر کر اس کی آنکھیں پھوڑ دیں اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور اسے دور ایک باغ میں پھینک دیا جو ایک بادشاہ کا باغ تھا۔ جس کی ایک بیٹی تھی۔ جب شہزادی سیر کرتے ہوئے وہاں سے گزری تو اس نے شہزادے کو دیکھا تو کہا۔

''کیسا خوبصورت نوجوان ہے لیکن یہ تو اندھا ہے اور اس کی ٹانگیں تو کٹی ہوئی ہیں۔'' اس نے اوپر درخت پر ایک طوطا اور مینا کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ طوطا، مینا سے کہہ رہا تھا کہ اگر اس لڑکے کے چہرے کو ایک کنوئیں کے پانی سے دھویا جائے تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس طوطے نے کہا وہ کنواں کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا وہ کنواں یہاں سے تھوڑی دور ایک جنگل میں ہے۔

پھر طوطے نے کہا کہ اگر اس لڑکے کی ٹانگیں فلاں کنوئیں کے پانی سے دھوئیں تو یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔

اب تو شہزادی بہت خوش ہوئی اور اس نے فوراً کنیزوں کو حکم دیا کہ یہاں سے تھوڑی دور جنگل میں ایک

کنواں ہے اس کے پانی سے نوجوان کی آنکھیں دھوئی جائیں اور اس کے قریب ہی ایک اور کنواں ہے اس کے پانی سے نوجوان کی ٹانگیں دھوئی جائیں۔ کنیزوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور ایسا ہی کیا۔ شہزادے کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں اور اس کی ٹانگیں بھی ٹھیک ہو گئیں اب تو شہزادہ بہت خوش ہوا اور اس نے دل میں کہا کہ اب وہ اپنے دشمن سے سخت بدلہ لے گا۔

شہزادی، شہزادے کو اپنے محل میں لے گئی اور بادشاہ سے کہا کہ ابا حضور اب میں اپنی پسند کی شادی کروں گی۔ چنانچہ بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ شہزادی اب اپنی پسند کی شادی کرے گی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن دربار میں دوسرے ملکوں کے شہزادے جمع ہو گئے۔ لیکن شہزادی نے جو شہزادہ اندھا تھا اور اب ٹھیک ہو گیا تھا اس کے ساتھ شادی کا اعلان کر دیا۔ تمام لوگوں نے احتجاج کیا لیکن شہزادی نے کہا کہ میری پسند یہی ہے۔ اس لیے شہزادے اور شہزادی کی شادی ہو گئی۔

کچھ عرصہ محل میں رہنے کے بعد شہزادے نے بادشاہ سے کہا کہ آپ اپنی تھوڑی سی فوج مجھے دے دیں۔ میں کسی ضروری کام سے پاس والے جنگل میں جانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے شہزادے کو جانے کی اجازت دے دی اور شہزادہ شان و شوکت سے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ آدم خوروں کے قبیلے میں پہنچا تو قبیلے کے کئی آدمی اسے اور فوج کو دیکھ کر گھبرا گئے اور وہ بھاگنے لگے۔ شہزادے نے آدم خوروں کے بادشاہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آدم خوروں کے بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو گھبرا گیا اور بھاگنے کی کوشش کی لیکن سپاہیوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ پھر شہزادے کی بیوی نے کہا کہ مجھے معاف کر دیں لیکن شہزادے نے اس کی گردن اڑا دی اور ایک بوتل میں اس کا خون بھر لیا۔ پھر وہ واپس بادشاہ کے محل میں آ گیا۔ اور اس نے شروع سے لے کر آخر تک ساری داستان سنائی اور اپنے ملک جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اسے اپنے ملک جانے کی اجازت دے دی اور کچھ فوج اس کے ساتھ روانہ کر دی اس طرح شہزادہ، شہزادی کے ساتھ اپنے ملک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے جب اسے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ شہزادے نے بادشاہ کو ساری داستان سنائی اور کہا کہ میں نے جس بیوی کی خاطر آپ کو چھوڑا وہ اتنی بیوفا نکلی کہ میں نے اسے سزا دے دی۔ مجھے معاف کر دیجیے۔ یہ آپ کی بہو ہے یہ آپ کا حکم مانے گی۔ اس طرح ایک بیوفا بیوی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

تحریر: شیخ عبدالحمید

دوست کا تحفہ

تقسیم ہند کا واقعہ ہے۔ بھارت سے پاکستان آنے والے مہاجروں کے قافلوں میں ایک قافلہ امرتسر سے بھی چلا تھا۔ جو اتفاقاً جان و مال کا نذرانہ دیئے بغیر اٹاری تک پہنچ گیا تھا لیکن جب وہاں سے چلا تو سکھوں نے ان مظلوموں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے پاس جو کچھ تھا چھین لینے کے بعد حملہ آور قافلوں کی جوان عورتوں اور لڑکیوں کو

بھی زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔ جس بھائی یا باپ نے مزاحمت کی بھی تو سکھوں نے اس کو جان سے مار ڈالا۔ ان حالات میں لواحقین کے پاس خون کے گھونٹ پی کر چپ رہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس حادثے میں خدا بخش بھی اپنی بڑی بیٹی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ خدا خدا کر کے بچے کھچے افراد نے واہگہ بارڈر عبور کیا اور پھر وہ شہر لاہور میں داخل ہوئے۔ جہاں ان میں سے کسی کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ کوئی مددگار بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ وہ دور تو نہ تھا جب مکہ سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آتے تھے تو حضورؐ کے حکم پر مدینہ کا ایک ایک انصار ایک ایک مہاجر کا مثالی بھائی بن گیا تھا اور ہر انصار نے اپنی کل جائیداد کا آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا۔ لیکن یہاں تو نفسا نفسی کا دور تھا۔ ان مہاجرین میں سے جہاں کسی کو سر چھپانے کی جگہ ملی وہ وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ خدا بخش اپنی بیوی اور ایک بیٹے نذیر احمد سمیت کسی ہندو کے ادھ جلے مکان میں رہنے لگا۔ امرتسر میں تو اس کی پنساری کی دوکان تھی لیکن لٹے پٹے کے پاس دوکان کرنے کے لیے سرمایہ تو کجا دو وقت کی روٹی بھی حاصل کرنا مشکل تھا۔ محنت مزدوری ہی سے دن گزارنے کا واحد حل رہ گیا تھا۔ پس خدا بخش اپنے جواں سال بیٹے کے ساتھ روزانہ رزق کی تلاش میں نکل جانے لگا تھا۔ یوں جو کچھ محنت کر کے ملتا اس سے وہ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا۔ کبھی کبھی باپ بیٹا خالی ہاتھ بھی لوٹتے تھے کیونکہ کاروباری لوگ بغیر کسی شخصی ضمانت کے کسی مہاجر کو ملازم رکھنے کو تیار نہ تھے اور خدا بخش شخصی سفارش کہاں سے لاتا۔

ایک دن خدا بخش بیٹے کو گھر پر چھوڑ کر اکیلا ہی مزدوری کرنے چلا گیا۔ محنتی باپ کا فرض شناس بیٹا ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیسے بیٹھ سکتا تھا۔ لہٰذا جیسے ہی باپ گھر سے نکلا کچھ دیر بعد وہ بھی گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ابھی چند قدم بڑھائے ہوں گے کہ کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میرا نام تاج دین ہے۔ میں آپ کا پڑوسی ہوں۔ آپ مہاجر ہیں اور میں انصار ہوں'' اور پھر تاج دین نے اس کا نام پوچھ کر کہا۔ ''تمہارے ہاتھ میں کوئی ہنر ہے؟'' جس پر نذیر احمد نے جواب دیا۔

''ہنر تو کوئی نہیں البتہ میں چھٹی جماعت تک پڑھا ہوا ہوں۔''

پڑوسی تاج دین بولا۔ ''میں یہاں سے دور مالی پورہ

بستی میں ترکھان کا کام کرتا ہوں اور میں تمہیں اپنا کام سکھانا چاہتا ہوں۔ کیا تم اسے سیکھنا پسند کرو گے؟ دیکھو ہر کام کرنے سے پہلے مشکل لگتا ہے لیکن رفتہ رفتہ وہی مشکل کام لگن اور محنت سے کام کرنے والے کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔"

نذیر احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی نہیں اپنے والدین اور تین بہنوں کی فکر دامن گیر ہے لہٰذا میں آپ کا کام سیکھوں گا۔

"تو پھر ایسا کرو ابھی اپنی ماں کو بتاؤ اور پھر آج ہی سے میرے ساتھ کام پر چلو۔ کھانا ہم دونوں وہیں کھایا کریں گے۔" تاج دین نے رومال میں بندھی روٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ چنانچہ نذیر احمد نے اپنی ماں کو ہمسایہ تاج دین کے مشورہ سے آگاہ کیا اور اجازت ملنے پر تاج دین کا سائیکل دونوں کو اپنی پیٹھ پر سوار کیے منزل کی طرف چل پڑا۔

نذیر احمد کو بھی سائیکل چلانا آتا تھا۔ پس دونوں باری باری سائیکل چلاتے ہوئے مالی پورہ کام پر جا پہنچے۔ تاج دین نے نذیر احمد کو کام سکھانا شروع کر دیا۔ شام کو دونوں گھر لوٹے تو نذیر احمد نے اپنے باپ کو کام سیکھنے کے متعلق بتایا۔ باپ جانتا تھا کہ استاد لوگ شاگردوں کو کام سکھانے کے دوران کچھ نہیں دیا کرتے تاہم وہ راضی ہو گیا کیونکہ سیکھا ہوا ہنر کام آتا ہے۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ تاج دین وہیں کام پر رک جاتا تو نذیر احمد اس کے سائیکل پر واپس آتا۔ وہ پہلے استاد کے گھر والوں کو اس کے کام پر رک جانے کی اطلاع دیتا اور پھر اپنے گھر آتا۔ اگلی صبح وہ اپنے گھر سے روکھی سوکھی روٹی لے کر استاد کے سائیکل پر کام پر چلا جاتا۔ صدا وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ نذیر احمد کا باپ دکھوں اور سخت محنت کی تاب نہ لا کر چند دن بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ بیٹے کو باپ کے مر جانے کا شدید صدمہ ہوا۔ اب تک نذیر احمد استاد سے سارا کام سیکھ چکا تھا۔ لہٰذا اس کو سیکھے ہوئے کام سے فائدہ اٹھانے کی فکر ہوئی تو اس نے اپنے استاد تاج دین سے شہر میں کام کرنے کا اڈہ ڈھونڈنے کا مشورہ کیا۔ جس پر استاد نے کہا۔

"تم ابھی تھوڑے دن اور یہاں کام کرو میں شہر میں تمہارے لیے کام تلاش کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں شہر ہی میں کام کرنے لگیں۔"

چونکہ شہری زندگی ابھی پوری طرح معمول پر نہیں آئی تھی سو "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق نذیر احمد کو استاد کی بات ماننا پڑی۔ ایک دن نذیر احمد کی ماں کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ اس لیے وہ شام ہونے سے کچھ دیر پہلے کام چھوڑ کر مالی پورہ سے چل پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے کے بعد جنگل شروع ہو جاتا تھا وہ اپنے خیالات میں گم روزمرہ کے راستے پر چلا آ رہا تھا کہ اس کی نظر راستہ میں کھڑے ایک بدشکل دیو ہیکل انسان پر پڑی جس نے اپنے کندھوں پر ویسی ہی بدشکل جسم عورت کو اٹھا رکھا تھا۔ چونکہ وہ اکثر کام پر اپنے استاد تاج اور دوسرے کاریگروں سے اس راستے میں جنوں سے واسطہ پڑ جانے کے متعلق سن چکا تھا لہٰذا اسے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ راستے میں جن کھڑا ہے۔ اسے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ایسے میں راہ گیر کو اپنا سر جھکا کر جن کے پاس سے گزر جانا چاہیے کیونکہ یہ مخلوق بلاوجہ انسان کو کچھ نہیں کہتی۔ اس نے یہ بھی سنا تھا کہ راہ گیر کو راستے میں چڑیلوں سے واسطہ پڑتا ہے جو پیچھے سے مسافر کا نام لے لے کر مدد لیے منتیں اور واسطے ڈالتی ہیں اور جب بے وقوف مسافر اپنا نام سنتا ہے تو وہ چڑیل کے پاس چلا جاتا اور چڑیل اسے ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں سے وہ غریب لوٹ کر نہیں آتا۔ پس نذیر احمد نے قاعدے کے مطابق اپنا سر جھکائے جن کے پاس سے گزر جانا چاہا تو جیسے ہی وہ دونوں آمنے سامنے ہوئے جن نے دل ہلا دینے والی آواز میں نذیر احمد کو مخاطب کیا۔

"تم اس عورت کو دیکھتے ہو جسے میں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ یہ میرا انتخاب ہے۔ بولو یہ انتخاب تمہاری نظر میں کیسا ہے؟"

اور پھر کسی غیبی طاقت کے زیر اثر نذیر احمد کے منہ سے "لاجواب" کا لفظ نکلا۔ اس لفظ کا سننا تھا کہ چشم زدن میں جن نے کندھوں پر سے اس عورت کو زمین پر اتارا اور نذیر احمد کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر ناچنا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے کہہ رہا تھا۔ "لاجواب! لاجواب!"

کچھ دیر بعد اس نے نذیر احمد کو بھی زمین پر اتار کر کہا۔ "تم نے میرے دل کی بات کہہ کر مجھے بہت خوش کیا ہے۔ آج سے تم میرے دوست ہو اور اس دوستی کے عوض میں میں تمہیں ایک قیمتی تحفہ دوں گا مگر نہیں یہ تحفہ تمہیں اس وقت ملے گا جب تمہاری معاشی حالت دگرگوں ہو جائے گی اور تم

ہر طرف سے مایوس ہو چکے ہو گے۔ اب جاؤ محنت مزدوری سے جو کام سیکھا ہے اس سے اپنے خاندان کا پیٹ پالو۔ جاؤ۔ ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔"

نذیر احمد کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے وہ سر جھکائے وہاں سے چل پڑا اور پھر اس نے دوڑ لگا دی۔ اگرچہ اس کے اوسان ابھی تک بحال نہ ہوئے تھے اور وہ تھر تھر کانپ بھی رہا تھا۔ پھر بھی وہ ہمت سے کام لے کر تھوڑی دور اور بھاگا اور پھر آخر کار اس کے جسم کی طاقت جواب دے گئی اور وہ اس سے زیادہ نہ بھاگ سکا۔ خوف اور تھکن نے اس کے پاؤں من من کر دیئے تھے! کہیں بیٹھ کر سستانا بھی تو کسی اور مصیبت کو دعوت دینا تھا۔ پس سفر کو جاری رکھ کر وہ گرتا پڑتا آخر گھر پہنچ گیا۔ جہاں آکر اسے اپنی بھول کر اپنی بیمار ماں کی پڑ گئی تھی۔ صبح کام پر جانے سے پہلے اس نے دوائی لا کر ماں کو پلائی تھی اور اب اس کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ رات تاج دین ملا تو جس طریقے سے نذیر احمد نے جن سے ملاقات کا واقعہ سنایا اس سے وہ سمجھ گیا کہ نذیر احمد آئندہ مالی پورہ کام کرنے نہیں جائے گا۔ لہٰذا اس نے اس کو تسلی دی اور کہا۔

"مجھ سے جس طرح بھی ممکن ہوا میں تمہیں شہر میں کام دلوا دوں گا۔" چنانچہ اگلے دن تاج دن اپنے کام پر جانے کے بجائے شہر میں نذیر احمد کے لیے کام کی تلاش کرنے چلا گیا اور اللہ کے فضل سے اس نے کام ڈھونڈ نکالا۔ اب نذیر احمد کو وہاں کام پر لگایا جا چکا تھا۔ یوں نذیر احمد کی جان میں جان آئی۔ ابھی اسے کام پر جاتے ہوئے پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا بذریعہ ریل پاکستان لانے کا بندوبست ہو گیا۔ پھر جونہی یہ سلسلہ شروع ہوا تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کہ ہندوستان سے آنے والی ہر ٹرین کو ظالم ہندو اور سکھ راستے میں روک لیتے ہیں۔ مال و اسباب تو پہلے ہی ساتھ لانے نہیں دیتے بلکہ روکی ہوئی گاڑی کے مسلمان بچوں اور عورتوں کو قتل کر رہے ہیں اور عورتوں کی عزت لوٹنے کے بعد انہیں بھی مار دیتے ہیں۔ آنے والے مسلمان صرف وہی چھوڑ دیئے جاتے ہیں جو بیمار، لاغر اور عمر رسیدہ ہوں۔ بس پھر کیا تھا اس کے ردعمل میں شہر کے ہندو اور سکھوں کے گھر، دکانیں لوٹی جانے لگیں اور مشتعل ہجوم ان کے گھروں اور دکانوں کو آگ بھی لگانے لگا۔ جدھر نگاہ اٹھتی آسمان پر آگ کے بادل تیرتے نظر آنے لگے۔ نزدیک

کسی کے مکان کو آگ لگتی تو ساتھ والے مسلمان اپنے گھروں کو بچانے کی فکر میں لگے رہتے۔

افراتفری کے اس دور میں کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے۔ بزدل افراد گھروں میں دبکے بیٹھے رہے جبکہ بہادر اپنے مسلمان بہن بھائیوں اور ماؤں کے خون کا بدلہ لینے میں پیش پیش نظر آتے۔ ان میں لالچی اور بے لاگ دونوں قسم کے افراد تھے۔ بہرحال زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ نذیر احمد کے دوست تاج دین نے اس متوقع صورت حال کو بھانپ کر کھانے پینے کا سامان وافر مقدار میں اکٹھا کر رکھا تھا۔ جس میں سے اس نے کچھ اناج اپنے شاگرد نذیر احمد کو اس کے اصرار پر بطور قرض دے دیا تھا۔ جبکہ شاگرد جانتا تھا کہ اگر حالات ایسے ہی رہے تو قرض چکانا تو دور کی بات ہوگی اس کے گھر فاقوں کی نوبت آ جائے گی اور پھر جلد ہی وہی ہوا جس کا اس کو خوف تھا۔ گھر میں اکثر فاقے سے وقت گزرنے لگا۔ ان لوٹ مار کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ نے شہر میں زیادہ وقت تک سخت قسم کا کرفیو لگا دیا۔ آخر نذیر احمد نے فیصلہ کرلیا کہ وہ بھی لوٹ مار کرنے والوں میں شامل ہو کر کچھ تو کھانے پینے کو لائے گا ہی اور پھر جیسے ہی کرفیو ہٹتے ہی وہ گھر سے باہر جانے لگا تو ماں نے اس کے ارادے کو بھانپ لیا اور دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بیٹا وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ برے حالات جلد ہی سدھر جائیں گے۔ چوری، ڈاکے سے بہتر ہے کہ تم اپنے استاد تاج دین سے کچھ اور اناج قرض لے لو۔" جس پر بیٹے نے جواب دیا۔

"مجھے اب اس سے اور مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

ماں بولی: "وہ دیکھو جس کی بات کر رہے تھے وہ خود ہی آ گیا۔" اس دفعہ بھی تاج دین انہیں کچھ خورد و نوش کا سامان دے گیا اور یوں چند اور گزرنے کے بعد پھر فاقے آنے لگے لیکن اب کرفیو دن میں صرف دو گھنٹے لگنے لگا تھا اور امید تھی کہ شہری زندگی جلد ہی معمول پر آ جائے گی۔

ایک دن جیسے ہی کرفیو کا وقت ختم ہوا کسی نے ان کے دروازے پر دستک دی۔ نذیر احمد نے بھاگ کر دیکھا تو ایک پریشان شخص نے اسے کہا۔

"آپ کی والدہ نرس ہیں انہیں جلدی سے میرے ساتھ بھیج دیں میری بیوی سخت بیمار ہے۔" یہ سن کر وہ اپنی ماں کو لے آیا جس نے آتے ہی نوارد کو بتایا کہ اس کی فیس پانچ روپے ہے مگر وہ دگنی لے گی۔

''میں آپ کو اس سے کہیں زیادہ دوں گا۔ آپ میرے پیچھے چلی آئیں۔'' اور وہ اس کے پیچھے چل دی۔ شہری آبادی عبور کر چکے تو نذیر احمد کی ماں کو فکر ہوئی کہ وہ شخص اسے کہاں لے جاتا تھا۔ پوچھنے پر اس نے کہا ہمیں تھوڑی دور اور چلنا ہوگا۔ پھر جلد ہی وہ ایک مکان کے دروازے پر رکے۔ گھر میں داخل ہوئے تو یہ ایک کھلا روشن کمرہ تھا جس میں چارپائی پر ایک عورت لیٹی ہوئی تھی۔ یہ بچہ کی پیدائش کا کیس تھا۔ مگر جب چار بچوں کی پیدائش کے باوجود سلسلہ ختم نہ ہوا تو نذیر احمد کی ماں خوف سے کانپ گئی۔ بہر حال دس بچے جنم لے چکے تو وہ شخص اندر آ کر بولا۔

''میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔'' پھر اس نے کوئلوں سے بھری بوری اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اب آپ جا سکتی ہیں۔'' کوئلوں کی بوری اٹھا کر جیسے ہی وہ دروازے سے نکلی۔ اس نے دوڑ لگا دی۔ فاقوں ماری تھوڑی دور بھاگ کر ہانپنے لگی پھر اس نے بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے بوری میں ہاتھ ڈال کر چلتے ہوئے کوئلے زمین پر پھینکنا شروع کر دیئے۔ چوں توں کے جب وہ گھر پہنچی تو خوف اور تھکن سے چور اپنے دروازے سے ٹکرا کر گری اور بے ہوش ہو گی۔ جونہی نذیر احمد نے آہٹ سنی وہ باہر لپکا تو ماں کو وہاں بے ہوش پایا۔ بہن بھائی نے مل کر ماں کو اندر چارپائی پر لا ڈالا اس وقت ڈاکٹر کی ضرورت تھی مگر ماں کی جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ ناچار اس کو پانی پلایا تو کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ اسے وہ کوئلوں والی بوری کی یاد آئی تو وہ اس کے سامنے لا کر رکھ دی گئی۔

''میں دیکھتی ہوں اس میں صرف کوئلے ہی ہیں یا میری فیس بھی؟'' یہ کہہ کر جونہی اس نے بوری زمین پر الٹی اس میں سے ملکہ کے وقت کے چاندی کے روپے لڑھک پڑے اور سر پیٹ کر رہ گئی کہ راستہ بھر جو کوئلے وہ بوجھ ہلکا کرنے کے لیے باہر گراتی رہی وہ روپے تھے۔ مگر اب افسوس بے سود تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی شادی کر دی۔ اپنی بڑی لڑکی کی شادی اس نے اپنے بیٹے کے محسن تاج دین سے کر دی اور پھر جلد ہی یہ گھرانہ مصیبتوں سے نجات پا کر ہنسی خوشی رہنے لگا۔ تو نذیر احمد کو یاد آیا کہ اس کی ماں کو کوئلوں کی بوری دینے والا ہی جن تھا جو مالی پورہ کام پر جاتے ہوئے اس کا دوست بن گیا تھا اور اس نے اپنے وعدے کے مطابق ایک قیمتی تحفہ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے کسی کی مصیبت آسان کر دیتا ہے۔

بونے بادشاہ کی بے وقوفی

تحریر: فاطمہ

ایک دفعہ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ملک شکوم کا اصلی بادشاہ خاخو گھوڑے سے گر کر مر گیا جس پر اس ملک کے باشندوں نے نیا بادشاہ چننے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ اس ملک کے لوگوں کا رواج تھا کہ وہ بادشاہ کے محل سے ایک کوے کو اڑاتے تھے اس کوے کے پیروں میں شناخت کے طور پر شاہی مہر والی سونے کی زنجیر پہنا دیتے تھے۔ جو شخص پھر اسی

کوے کو پکڑ تا تھا۔ اسے بادشاہ بنالیا جاتا تھا۔ شاہی محل سے کوا اڑا تو پورے ملک میں اسے پکڑنے کے لیے شور مچ گیا۔ کیا جوان کیا بوڑھے اور کیا لڑکے سب کے سب ہاتھوں میں ڈنڈے اور لاٹھیاں لے کر گھروں سے نکل آئے اور کوے کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہیں جہاں بھی کوئی کوا نظر آتا۔ وہ کوشش کر کے اسے مار ڈالتے مگر جب بھی اس کے خالی پیروں کو دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے غلط کوے کو مار ڈالا ہے۔ اس پر انہیں افسوس ہوتا اور وہ نئے سرے سے کوئی اور کوا ڈھونڈنے لگتے۔ ان لوگوں میں شینی بونا بھی تھا۔ شینی بونے کا قد دو فٹ اور عمر کم از کم تیس برس تھی۔ اس کے والدین فوت ہو چکے تھے۔ اور وہ اپنے ظالم چچا کے پاس رہتا تھا۔ جو اکثر اسے مارتا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے شینی بونا اپنی زندگی سے بے زار رہتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی روز چپکے سے چچا کے گھر سے بھاگ جائے اور جنگل میں چھپ جائے۔

آخر ایک جب اس کا ظالم چچا اسے مار پیٹ کر گھر سے نکلا تو شینی اپنی چچی کی نظر بچا کر گھر سے باہر آ گیا اور قریب کے جنگل کی جانب چل دیا۔

یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ جنگل میں داخل ہونے تک اسے کسی نے نہ دیکھا۔ وہ خوشی خوشی جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل اس نے اندر سے پہلی مرتبہ دیکھا تھا چنانچہ جونہی اسے درخت ہی درخت، جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اور بیلیں ہی بیلیں دکھائی دیں تو وہ ڈر گیا۔

اس نے سوچا کہ اس دہشت ناک ماحول سے فوراً نکل جاؤں اور ابھی واپس گھر پہنچ جاؤں۔ پتہ نہیں یہاں جنگل میں میرا کیا حال ہوگا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے قریب ہی ببر شیر کی دھاڑ سنی۔ جسے سن کر خوف کے مارے اس کا رنگ اُڑ گیا۔ اگلے لمحے ببر شیر اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اور گرج کر بولا اوئے گینڈے کے بچے، سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہیں کھانے لگا ہوں۔

شینی نے یہ سنا تو کانپتی آواز میں بولا ضرور کھائیں، مائی باپ لیکن میں تو ذرا سا ہوں۔ مجھے کھا کر آپ کا پیٹ کہاں بھرے گا۔ بہتر ہے آپ میری جگہ کسی لمبے قد کے انسان کو کھائیں۔ ویسے بھی میں آپ کے کھانے کے قابل نہیں۔

ببر شیر نے غضبناک ہو کر کہا۔ اوئے اخردت۔ تم نے پیشاب سے شلوار کیوں گیلی کی ہے۔ تمہیں پتا نہیں کہ ببر شیر بو والی چیزیں نہیں کھاتے۔ اچھا جلدی بتاؤ لمبا انسان مجھے کہاں ملے گا۔ میں اسے کھانا چاہتا ہوں۔ مجھے زور کی

بھوک لگی ہوئی ہے۔

شینی نے جواب میں ببر شیر کو اپنے گھر کا پتہ بتا دیا۔ جسے سن کر ببر شیر جنگل سے نکل گیا۔ جس کے جاتے ہی شینی بونے نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ جنگل کے اندر زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس نے کوے کی زوردار کائیں کائیں سنی۔

شینی نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو اس نے اپنے سر پر ایک کالے سیاہ کوے کو اڑتا دیکھا کوا اڑتے ہوئے سر اور پیروں کی مدد سے شینی بونے کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ شینی بونے نے کوے کو اشارہ کرتے دیکھا تو بہت زیادہ ڈر گیا وہ سمجھا کہ ضرور یہ کوئی بھوت ہے جو کوا بن کر میرا پیچھا کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ اور تیزی سے دوڑنے لگا۔ اس پر کوے کو بڑا طیش آیا۔ اس نے نیچے آ کر زور سے شینی کے سر پر ٹھونگا مار دیا۔ کوے کا ٹھونگا کھا کر شینی بونے کی جان ہی نکل گئی وہ دہشت زدہ ہو کر چیخیں مارنے لگا۔

اس کی چیخوں کی آواز پورے جنگل میں گونجنے لگی۔ اسے سن کر وہی ببر شیر اس کے پاس دوڑا چلا آیا جس کو اس نے اپنے چچا کے گھر بھیجا تھا۔

اس نے آ کر شینی بونے سے پوچھا۔ اوئے لڈو کیوں چیخیں مار رہے ہو۔ کیا حادثہ پیش آیا ہے تمہیں۔ مجھے بتاؤ میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔ کیونکہ تم اب میرے یار ہو۔ تم نے مجھے ایک گاؤں کا پتہ بتایا ہے جس میں بے شمار موٹے موٹے انسان رہتے ہیں۔ میں آئندہ روز وہاں جایا کروں گا اور ایک انسان کو کھایا کروں گا آج جس انسان کو کھا کر آ رہا ہوں۔ وہ بے حد لذیذ تھا۔ اچھا بتاؤ کیا بات ہے۔

شینی بونا ببر شیر کو دوبارہ دیکھ کر پہلے تو بے ہوش ہو جانے لگا تھا لیکن جب اس نے کہا کہ میں تمہارا یار ہوں تو شینی کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ اور اس نے ببر شیر سے کہا کہ یہ جو اوپر درخت پر کوا بیٹھا ہے۔ یہ چونچیں مار کر میرے سر میں سوراخ کرنا چاہتا ہے۔ انکل آپ مجھے اس خونخوار کوے سے بچائیں اس کے بدلے میں میں آپ کے جوتے پالش کر دیا کروں گا۔ شینی نے یہ بات اس لیے کہی تھی کیونکہ اس کا ظالم چچا ہمیشہ اس سے دن میں دو بار اپنے جوتے پالش کراتا تھا مگر ببر شیر اس کی اس بات پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اس نے کہا۔

اوئے ناریل۔ میرے جوتے کیسے پالش کرو گے۔ کیا میرے پنجوں میں تمہیں جوتے دکھائی دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے تمہارا قد ہی چھوٹا نہیں عقلی بھی چھوٹی ہے خیر اس کو

چھوڑو۔ دیکھو میں ابھی اس کوے کو ایسی سزا دیتا ہوں کہ وہ ساری عمر تمہارے نزدیک نہیں آئے گا۔ یہ کہہ کر ببر شیر یکدم پوری قوت سے دھاڑا۔ اس کی دھاڑ اس قدر طاقتور تھی کہ درخت پر بیٹھا کوا بے ہوش کر نیچے گر گیا۔ تب ببر شیر نے شینی بونے سے کہا کہ لو تمہارا دشمن کوا بے ہوش ہو گیا ہے تم اس سے اپنا بدلہ لے لو۔

یہ سن کر شینی بونا جلدی سے آگے بڑھا۔ اور زور سے ٹھڈا مارنے لگا۔ عین اسی لمحے کوے نے آنکھیں کھول دیں اور شینی کو مخاطب کر کے بولا۔

بھائی جان مجھے نہ مارنا۔ میں تمہارا دوست ہوں اگر تم مجھے پکڑ کر شاہی محل میں لے جاؤ گے۔ تو مرحوم خاخو بادشاہ کے درباری تمہیں بادشاہ بنا دیں گے۔ یہ میرے پیروں میں سونے کی زنجیر دیکھ رہے ہو نا یہ اس لیے درباریوں نے پہنائی ہے تاکہ کوئی شخص دوسرا کوا لے کر ان کے پاس نہ جائے۔ میں نے تمہیں جنگل میں داخل ہوتا دیکھا تھا اور دل میں فیصلہ کیا تھا کہ تمہیں ہی بادشاہ بنواؤں گا۔ آخر جہاں لمبے لمبے بادشاہ ہوتے ہیں۔ وہاں بونے قد والے کیوں نہیں بادشاہ بن سکتے۔ چلو اب وقت ضائع نہ کرو۔ اور مجھے اٹھا کر درباریوں کے پاس لے چلو۔

شینی بونے نے کوے کی زبان سے بادشاہ بننے کی خوش خبری سنی۔ تو پھولا نہ سمایا۔ اس نے ببر شیر کو سلام کیا اور کوے کو اٹھا کر مرحوم بادشاہ خاخو کے محل میں پہنچ گیا۔ وہاں درباری ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو اپنا اڑاتا ہوا کیوا ایک بونے کے قبضے میں دیکھا۔ تو پریشان ہو گئے وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کریں اس بونے کو اگر بادشاہ بنایا تو ہمارا ملک ساری دنیا میں بدنام ہو جائے گا۔ پر شرط کے مطابق انہیں شینی کو بادشاہ بنانا ہی پڑنا تھا۔

بہر حال ان میں سے ایک درباری نے شینی بونے کو چکر دینے کے لیے کہا۔ اے بھائی بونے تم نے ہمارا اڑایا ہوا کوا پکڑ کر شرط تو پوری کر دی ہے مگر ہم تمہیں بادشاہی اس وقت دیں گے جب تم ہمیں اپنی عقل مندی اور بہادری کا ثبوت دو گے۔ شینی بونا گھبرا گیا کہ پتہ نہیں یہ کیا ثبوت مانگنے لگے ہیں۔ خیر اس نے دل مضبوط کر کے اس درباری سے کہا کہ بتائیں آپ میرا کیا امتحان لینا چاہتے ہیں درباری نے کہا ہمارے ملک کی سرحد پر ایک جاچھی جادوگر رہتا ہے۔ وہ ہمیں بہت تنگ کرتا ہے تم اگر اس کو ہلاک کر ڈالو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیں گے۔

شینی نے جاچھی جادوگر کا نام سنا تو اس کی ٹانگیں کانپنے

لگی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر درباریوں سے کہا جناب آپ مجھ سے دس چوہے ہلاک کرالیں۔ تیس مکھیاں مروالیں سو چیونٹیاں قتل کرالیں۔ پر اس بے رحم جادوگر کی طرف نہ بھیجیں وہ تو مجھے چٹکیوں میں مسل دے گا۔ مگر درباری نہ مانے جس پر کوے نے شینی کے کان میں کہا کہ چھوٹے بھائی ڈرو نہیں۔ جادوگر کو مارنے میں تمہاری مدد کروں گا۔ تم درباریوں کی یہ شرط قبول کرلو۔ لہٰذا شینی بونے نے درباریوں کی شرط قبول کرلی اور کوے سمیت جاچھی جادوگر کو مارنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ راستے میں اسے ایک جگہ زور کی پیاس لگی۔ تو اس نے کوے سے کہا کوے میاں مجھے بہت پیاس لگی ہے۔ تم کوئی کنواں تو ڈھونڈو۔ کوا یہ سنتے ہی اڑ گیا اور ایک کنواں دیکھ کر واپس آ گیا۔ اس کنوے پر وہ شینی بونے کو لے کر گیا۔ تو بونے نے کنوئیں کے کنارے پر لیٹ کر ہاتھ بڑھا کر کنوئیں کا پانی نکالنے کی کوشش کی۔ اس وقت جاچھی جادوگر زوردار آندھی بن کر ادھر آیا۔ اور اس نے شینی کو کنوئیں میں گرادیا۔ شینی کنوئیں کے پانی میں گرتے ہی غوطے کھانے لگا اسے تیرنا نہیں آتا تھا پھر اس کا قد بھی چھوٹا تھا۔ اس لیے وہ لگاتار ڈبکیاں کھاتا گیا۔ آخر ایک بار اس کے ہاتھ میں پانی سے اوپر کنوئیں کے اندر ایک باہر کو نکلی اینٹ آ گئی، جیسے اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور زور زور سے رونے لگا ساتھ ہی ساتھ کوے کو آوازیں دینے لگا کہ میری مدد کرو۔

کوا اس وقت جنگل کی طرف اڑ گیا تھا۔ تاکہ شینی کے دوست ببر شیر کو مدد کے لیے لے کر آئے۔ کچھ دیر بعد کوا ببر شیر کو لے کر کنوئیں پر پہنچ گیا۔

ببر شیر نے کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر اپنی دم کنوئیں کے اندر لٹکا دی۔ اور شینی سے بولا کہ میری دم کو اچھی طرح سے پکڑ لو۔ میں تمہیں باہر کھینچنے لگا ہوں۔ شینی بونے نے اپنے قریب ہی ببر شیر کی لمبی دم کا سرا دیکھا تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ اس نے اینٹ چھوڑ کر دم کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ جس پر ببر شیر نے اسے کنوئیں سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے بعد تینوں دوست جاچھی جادوگر کے ٹھکانے کی طرف چل دیئے ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ راستے میں انہوں نے ایک نہایت حسین و جمیل شہزادی کھڑی دیکھی۔ اس شہزادی نے مسکرا کر شینی بونے سے کہا میرے پیارے شینی۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ چلو آؤ میرے ساتھ میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں۔

شینی بونے نے ایک شہزادی کے منہ سے یہ الفاظ سنے

تو خوشی سے پھول کر کپا ہو گیا۔ وہ اس شہزادی کی انگلی پکڑ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ ببر شیر اور کوے نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ شینی یہ تم غلطی کر رہے ہو۔ اس ویران جگہ پر ملنے والی لڑکی شہزادی نہیں ہوسکتی یہ ضرور چڑیل ہے۔ اس کے ساتھ نہ جاؤ لیکن شینی بونے پر اپنے دوستوں کی کسی نصیحت کا اثر نہ ہوا۔ وہ دوستوں کی طرف دیکھنے بغیر شہزادی کے ساتھ چلتا گیا۔ شہزادی اسے سنسان پہاڑوں کے اندر لے گئی۔

وہاں جا کر اس نے زور زور سے قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ قہقہوں کی آواز سن کر شینی بونے کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ کیونکہ وہ مردانہ آواز میں لگائے گئے تھے۔ تبھی شینی بونے نے دیکھا وہ شہزادی یک دم ایک بھیانک شکل والا جادوگر بن گئی وہ اصل میں جاچھی جادوگر تھا۔

جاچھی جادوگر نے شینی بونے کے گالوں پر زور زور سے تھپڑ مارنے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی کہنے لگا کہ اچھا تو تم مجھے قتل کرنے آئے تھے۔ میں تمہیں ایسا مزہ چکھاتا ہوں کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔ مجھے تو بڑے سے بڑا سورما نہیں مار سکا بھلا تم مٹر کے دانے جتنے بڑے ہو کر مجھے کیسے مار سکتے ہو۔ میں تو تمہیں مار مار کر چوہا بنا دوں گا۔ شینی بونے کو مار پڑنے لگی تو اس نے زاروقطار رونا شروع کر دیا جسے سن کر اس کے دوست اس جگہ پہنچ گئے ببر شیر اور کوے نے آتے ہی جاچھی جادوگر پر حملہ کر دیا۔

جاچھی جادوگر نے جادو کے ذریعے ببر شیر اور کوے کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی ببر شیر نے زوردار پنجہ مارا اور جاچھی کا کام تمام کر دیا۔ اس کے مرتے ہی شینی بونے نے خوشی سے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ اچھل اچھل کر اپنے دوستوں کو شاباش دینے لگا۔ تب کوے نے اس سے کہا شینی بھائی اب نہ کوئی حماقت دکھانا ورنہ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ چلو اب واپس درباریوں کے پاس چلو۔ تم نے ان کی یہ شرط پوری کر دی ہے کوے نے بات ختم کی تو ببر شیر نے جاچھی جادوگر کی لاش منہ میں ڈالی اور ان کے ساتھ چلنے لگا۔

شام تک وہ درباریوں کے پاس پہنچ گئے۔ درباریوں نے جاچھی جادوگر کی لاش دیکھی۔ اور ساتھ ہی ببر شیر کو دیکھا تو انہوں نے جلدی سے تخت شینی بونے کے حوالے کر دیا۔

بادشاہ بنتے ہی شینی بونے نے ملک کے تمام حکیموں کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ میرے لیے ایسی دوا کرو جسے کھا کر میرا قد لمبا ہو جائے چنانچہ حکیم اس کے لیے دوا تیار کرنے لگے۔ درباریوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں

نے حکیموں سے کہا کہ دوا میں زہر ملا دینا تا کہ اسے کھا کر یہ احمق بونا مر جائے حکیموں نے ایسا ہی کیا انہوں نے دوا میں زہر ملا دیا جسے شینی بونے نے کھایا تو وہ بے ہوش ہو گیا اس کی بے ہوشی کا سن کر درباری خوشی سے تالیاں بجانے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھا ہم نے ایسی ترکیب لڑا کر اس احمق بونے کو زہر کھلا دیا ہے اب یہ تڑپ تڑپ کر صبح تک مر جائے گا۔ درباریوں کی یہ باتیں شینی بونے کے وقت کوے نے سن لیں وہ اسی وقت وہاں سے اڑا اور جنگل سے باموربوٹی کے پتے توڑ لایا۔ جنہیں اس نے شینی بونے کے منہ میں ڈال دیا شینی بونے کے منہ میں ان پتوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ ان کی خوشبو جونہی شینی کے منہ میں گئی۔ سارا زہر ختم ہو گیا۔ جس کے بعد شینی بونا ہوش میں آ گیا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے دیکھا۔ اس کے سرہانے اس کے پکے دوست ببر شیر اور کوا بیٹھے ہوئے تھے یہ دیکھ کر شینی بونا بہت شرمسار ہوا کہ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی احمقانہ حرکت کرتا ہوں جس کی سزا ان بے چاروں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں دوستوں سے آئندہ کے لیے معافی مانگی کہ میں کوئی حماقت نہیں دکھاؤں گا بلکہ عقل مند بن کر رہوں گا اور اٹھ کر ببر شیر اور کوے کی گردنوں میں بازو ڈال کر انہیں پیار کرنے لگا۔

لطیفے

☆ ایک صاحب کسی دعوت میں بے تحاشہ کھاتے جا رہے تھے ان کے برابر بیٹھے ہوئے آدمی سے ضبط نہ ہو سکا اس نے کہا۔ جناب کھانے کے درمیان پانی بھی پی لیا کریں۔ اس آدمی نے جواب دیا ٹھیک ہے۔ درمیان آئے تو پانی پی لیں گے۔

☆ مجسٹریٹ: تمہارے خلاف سائیکل کی چوری ثابت نہیں ہوئی اس لیے تمہیں رہا کیا جاتا ہے۔
ملزم: تو کیا حضور! اب میں سائیکل اپنے پاس رکھوں۔

☆ ایک سکاچ دوسرے سکاچ سے ملا تو پوچھا کدھر جا رہے ہو۔ وہ بولا کنگھی خریدنے لیکن ابھی دس سال پہلے جو تم نے کنگھی خریدی تھی وہ کدھر ہے۔ وہ بولا دراصل اس کا دندانہ ٹوٹ گیا ہے۔ دوست بولا ایک دندانہ ٹوٹنے پر نئی کنگھی۔ دوسرا اسکاچ بولا، وہ آخری دندانہ تھا۔

برسات

برسات نے ہے دُھوم مچائی
خوب نہاؤ میرے بھائی

ہر سُو موسم آیا سہانہ
باغوں میں ہے کوئل گائی

بادل آئے کالے کالے
بادل نے بارش برسائی

ندیاں نالے جل تھل جل تھل
پانی کی بارات ہے آئی

مینڈک کچھوے شور مچائیں
مستانی سی رُت ہے چھائی

مور پپیہے مل کر گائیں
ہر جاں مستی میں لہرائی

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوئی فضائیں
گرمی نے ہے دوڑ لگائی

موسم کی نسبت سے انجم
ہم نے حلواہ پوڑی کھائی

ظفر محمود انجم: راجہ جنگ

عادل بادشاہ

تحریر: غلام محمد فاروق

زمانہ قدیم کی بات ہے کہ ملک گومان پر منصف خان کی حکومت تھی۔ نام کی مناسبت سے بادشاہ انتہائی رحمدل اور انصاف پسند تھا۔ اس نے اپنے محل کے باہر ایک اونچے چبوترے پر نہایت بڑا نقارہ نصب کروا رکھا تھا۔ ملک کے طول وعرض میں جسے بادشاہ سے انصاف طلب کرنا ہوتا نقارے پر چوب سے ضرب لگا دیتا۔ بادشاہ کے درباری

فریادی کو بادشاہ کے رو برو پیش کر دیتے جہاں پر فریاد کرنے والے کی ہر ممکنہ طریق سے دادرسی کی جاتی تھی۔ سستا انصاف مل جانے کی وجہ سے ملک امن و آشتی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ رعایا بڑی خوش حال زندگی بسر کر رہی تھی۔

بادشاہ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام شہزادہ جہانگیر تھا۔ جو صفات میں باپ کا ہم پلہ تھا۔ انتہائی زیرک بے حد سمجھدار تمام علوم و فنون میں ماہر اور امور سلطنت میں بے پناہ خداداد فہم و فراست کا مالک تھا۔ بادشاہ کو ہونہار شہزادے پر بے حد ناز تھا۔

ملک گومان کے ساتھ ملک طریحان کی سرحدیں لگتی تھیں۔ وہاں پر غیاث الدین نامی بادشاہ حکمران تھا جو انتہائی ظالم اور مطلق العنان بادشاہ تھا اس ملک گومان کے وزیر رحمان نرکی کے ساتھ دیرینہ مشاورت چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ موقع پاتے ہی اس لیے رات کی تاریکیوں میں ملک گومان پر دھاوا بول دیا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اس جنگ میں دونوں فوجوں کا سخت جانی و مالی نقصان ہوا۔ اس جنگ میں ملک گومان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وزیر رحمان نرکی اور اس کی بیوی کو مخالف فوج نے قتل کر ڈالا اور ان کی چار سالہ بیٹی شہزادی صنم کو قریبی جنگل میں پھینک دیا تا کہ جنگلی جانور اسے اپنا لقمہ بنالیں۔

اس جنگل میں ماجو نامی ایک سپیرا رہتا تھا۔ وہاں اس نے گھاس پھونس کی ایک جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ رات کی تاریکی میں اسے بچے کے رونے کی آواز آئی وہ دیا لے کر وہاں پہنچا۔ تو ایک انتہائی خوبصورت بچی بہترین لباس زیب تن کیسے ہوئے رو رہی تھی۔ ماجو اسے اٹھا کر اپنے جھونپڑے میں لے گیا اسے دودھ پلایا بچی نے رونا بند کر دیا۔

ماجو سپیرا اپنے چھ سالہ بیٹے راجو کے ساتھ وہاں پر رہتا تھا۔ اس کی بیوی پچھلے سال ایک سانپ کے کاٹے سے ہلاک ہو گئی تھی۔ اس نے صنم بھی جوان ہو چکے تھے چونکہ وہ اکٹھے پلے بڑھے تھے۔ اس لیے دونوں میں بے پناہ محبت بھی ماجو نے دونوں کی منگنی کر دی۔

شہزادے جہانگیر کو شکار کھیلنے کا شوشوق تھا۔ ہر ہفتے کی صبح کو وہ شکار کھیلنے نکل کھڑا ہوتا اور شام گئے اس کی واپسی ہوتی تھی۔

ایک دن حسب معمول وہ شکار کھیلنے نکلا۔ دوپہر تک وہ بہت دور نکل گیا۔ چلچلاتی دھوپ نے زمین کو تنور بنا رکھا تھا چرند پرند اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے تھے دور دور تک جنگلی جانوروں کا نام و نشان تک نظر نہ تھا۔ ایسے میں

شہزادے کی نظر اچانک ایک خوبصورت سرخ خرگوش پر پڑی۔ یہ خرگوش اس قدر حسین تھا کہ شہزادے کے دل میں اسے زندہ پکڑنے کی خواہش پیدا ہوئی بس پھر کیا تھا! شہزادے نے آؤ دیکھا اور نہ تاؤ۔ جھٹ سے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خرگوش کے پیچھے ڈال دیا۔ خطرے کی بو پا کر خرگوش ہوا ہو گیا۔ شہزادے نے گھوڑے کی رفتار بڑھا دی مگر خرگوش بھی یوں لگتا تھا جیسے کوئی چھلاوہ ہو اس کی رفتار لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ شہزادے کا گھوڑا بری طرح ہانپ رہا تھا اور خرگوش اچانک جھاڑیوں میں کہیں گم ہو کر رہ گیا تھا، شہزادے نے گھوڑے کو روکا اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ پیاس کی شدت نے اسے بے حال کر کے رکھ دیا تھا۔ قرب و جوار میں پانی کا نشان تک نہ تھا۔ دور چند سو گز کے فاصلے پر ایک جھونپڑی نظر آ رہی تھی۔ شہزادے کے دل میں امید کی کرن پیدا ہوئی اور وہ جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

وہاں پہنچ کر شہزادے نے باہر ہی سے آواز لگائی۔ ہے کوئی جو پیاسے کو پانی پلائے۔

اچانک جھونپڑی کا دروازہ کھل گیا اندر سے ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی باہر نکلی۔ دونوں بچوں کی پرورش شروع کر دی۔ وہ جنگل سے مختلف قسموں کے سانپ پکڑ کر لاتا اور شہر میں مداریوں کے ہاتھ انہیں فروخت کر دیتا جو رقم ملتی اس سے اپنے بچوں کی روٹی پانی کا بندوبست کر لیتا تھا۔

گومان کے بادشاہ کو ا۔ بے وفادار اور وزیر رحمان نر کی کی موت کا انتہائی قلق تھا۔ اس نے یہیہ کر رکھا تھا کہ جب تک ملک طریحان کے بادشاہ سے انتقام نہیں لے لے گا چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اس عہد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے کئی سالوں کی محنت شاقہ سے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ شہزادے جہانگیر کو اس کا سپہ سالار مقرر کر کے اسے ملک طریحان کے ظالم بادشاہ غیاث الدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا۔

غیاث الدین کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ بھی اپنی فوجوں کو لے کر میدان جنگ میں آن وارد ہوا۔ شہزادے جہانگیر نے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر پہاڑوں کے عقب سے ہوتے ہوئے غیاث الدین کی فوج کو گھیرا ڈال لیا۔ اور شب خون مارتے ہوئے مخالف فوجوں کے حواس باختہ کر کے رکھ دیئے آنِ واحد میں چاروں طرف لاشوں کے انبار لگ گئے غیاث الدین جنگ میں کام آ گیا۔ بادشاہ کی موت نے فوج کے رہے سہے حوصلے کو بھی پست کر دیا اور وہ میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئی۔

شام ہونے تک جنگ کا فیصلہ شہزادے جہانگیر کے حق میں ہوگیا۔ ملک طریحان کو ملک گومان میں ضم کرکے وہاں پر شہزادے جہانگیر نے اپنے ملک کا جھنڈا نصب کر دیا۔ غیاث الدین نے اپنے کا جھنڈا نصب کر دیا۔ غیاث الدین کی موت پر رعایا نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ملک گومان کی بہت بڑی فتح تھی جس پر منصف خان بہت خوش تھا۔ اس نے شہزادے جہانگیر کو اس کامیابی پر دل کھول کر داد دی۔ وقت یوں ہی گزرتا گیا۔

ادھر ماجو سپیرے کا بیٹا راجو اور شہزادی شہزادہ مبہوت ہو کر لڑکی کو دیکھنے لگا وہ اس قدر حسین تھی کہ نگاہیں ہٹائے نہ ہٹتی تھیں۔

شہزادی صنم نے شہزادے جہانگیر کے زرق برق لباس سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی ملک کا شہزادہ ہے اس نے شہزادے کو اندر چل کر بیٹھنے کو کہا۔ شہزادہ جھونپڑی کے اندر داخل ہوگیا۔ شہزادی صنم نے مٹی کے پیالے میں ٹھنڈا پانی اسے پیش کیا۔ پیاس شدید تھی شہزادہ یکے بعد دیگرے پانی کے تین پیالے چڑھا گیا۔

شہزادے کے حواس درست ہوئے تو گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ شہزادی صنم کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ ملک گومان کے بادشاہ کا بیٹا شہزادہ جہانگیر ہے شکار کے پیچھے راستہ بھٹک کر یہاں تک آن پہنچا۔ پیاس کی شدت نے ستایا تو یہ دروازہ آن کھٹکایا۔ مابعد جہانگیر پوچھنے لگا "کیا تم یہاں اس جھونپڑی میں تنہا رہتی ہو؟"

"نہیں! میرے بابا بھی میرے ساتھ یہاں رہتے ہیں اور میرا منگیتر بھی۔" شہزادی نے جواب دیا۔

شہزادے نے پوچھا: "اس وقت وہ لوگ کہاں گئے ہوئے ہیں؟"

"وہ لوگ جنگل میں سانپوں کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔" شہزادی نے بتایا۔

شہزادے جہانگیر کو شہزادی صنم بے حد پسند آئی۔ اس نے دل میں مصمم ارادہ کرلیا کہ جو بھی ہو وہ اس کے ساتھ شادی کرکے رہے گا۔ کافی دیر تک باتیں کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور شہزادی صنم سے اجازت لے کر آ گیا۔

اب شہزادے کا معمول بن چکا تھا کہ جب بھی شکار کھیلنے جاتا تو وہ شہزادی سے ضرور مل کر آتا۔

ادھر شہزادی صنم ہر ہفتے کو شہزادے کا انتظار کرتی تھی ایک دن جب شہزادہ وہاں پہنچا تو ادھر ادھر کی باتوں کے بعد شہزادے کا اصرار بہت بڑھ گیا صنم سے کہا کہ وہ آج اس

کے ساتھ محل چلے۔ پہلے پہل تو شہزادی انکار کرتی رہی مگر جب شہزادے کا اصرار بہت بڑھ گیا تو اس کے ساتھ چلنے پر رضامند ہوگئی۔

وہ شہزادی صنم کو گھوڑے پر بیٹھا کر اپنے محل لے گیا بادشاہ اور ملکہ نے جب شہزادے سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا تو شہزادے نے سچی بات کہہ دی کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ لڑکی کون ہے وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ ملکہ اور بادشاہ شہزادی صنم کے بے پناہ حسن کی وجہ سے پہلے ہی بے حد متاثر نظر آ رہے تھے انہوں نے شہزادے کی پسند کو فوراً قبول کرلیا اور اس کے انتخاب پر اسے مبارکباد دی۔

اچانک ملکہ کی نظر شہزادی صنم کے گلے میں لٹکے ہوئے لاکٹ پر پڑی۔ اس نے بادشاہ سے بات کی تو وہ بھی لاکٹ دیکھ کر چونک گیا اور بولا "ہاں ملکہ! یہ تو بالکل وہی لاکٹ ہے جو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے وزیر رحمان نرکی مرحوم کی بیٹی شہزادی صنم کے گلے میں ڈالا تھا بادشاہ نے شہزادی کو پاس بلایا اور بڑے پیار کے ساتھ پوچھا "بیٹی! تم نے یہ ہار کہاں سے لیا ہے؟"

"بادشاہ سلامت! میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے یہ لاکٹ میرے گلے میں موجود تھا۔" شہزادی نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حقیقتاً ہمارے وزیر رحمان نرکی مرحوم کی بیٹی شہزادی صنم ہے۔" بادشاہ نے خوش ہوتے ہوئے ملکہ سے کہا "ہمارے لیے یہ مسرت کی بات ہوگی کہ شہزادی صنم کی شادی ہمارے بیٹے کے ساتھ ہو جائے۔ ملکہ کہنے لگی۔" اور اس طرح شہزادے جہانگیر کی شہزادی صنم کے ساتھ شادی کی تیاریاں ہونے لگیں پورے ملک میں اس شادی کی دھوم مچ گئی۔

ادھر جب ماجو سپیرا اور اس کا بیٹا گھر پہنچے تو شہزادی صنم کو گھر میں موجود نہ پا کر سخت پریشان ہوئے اور اسے ادھر ادھر تلاش کرنے لگے مگر تلاش بسیار کے باوجود شہزادی کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔

ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد انہوں نے بادشاہ کے پاس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ پس وہ طویل سفر کر کے بادشاہ کے محل کے پاس پہنچے اور نقارہ بجا دیا۔ نقارے کی گونج چاروں طرف پھیل گئی۔

ادھر شہزادے جہانگیر کے نکاح کی تقریب ہو رہی تھی صرف کلمات ادا ہونا تھے کہ نقارے کی گونج نے چاروں طرف سناٹا طاری کر کے رکھ دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ نکاح

کی تقریب اسی وقت تک کے لیے روک دی جائے جب تک ہم فریادی کی فریاد نہ سن لیں۔

بادشاہ کے حکم پر ماجو اور اس کے بیٹے راجو کو بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا۔

"کہو کیا بات ہے فریادی؟" بادشاہ نے بڑی محبت کے ساتھ پوچھا۔

ماجو نے دست بستہ عرض کیا! "حضور! چند دن قبل میں اور میرا بیٹا جنگل میں سانپوں کی تلاش میں گئے واپسی پر ہمیں پتہ چلا کہ بیٹی گھر پر موجود نہیں ہے ہم نے اسے ہر جگہ تلاش کیا مگر اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ حضور! وہ میرے بیٹے کی منگیتر ہے۔ خدا کے لیے اس کی بازیابی کے لیے ہماری مدد فرمائی۔

بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ "تم نے اپنے بیٹے کی منگنی اپنی ہی بیٹی کے ساتھ......

وہ میری حقیقی بیٹی نہیں ہے حضور! وہ مجھے جنگل میں ملی تھی میں نے تو اسے پال پوس کر جوان کیا ہے۔" ماجو نے بادشاہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تم اس کی نشانیاں بتاؤ تا کہ اس کی تلاش کی جاسکے۔" بادشاہ نے کہا۔

ماجو نے شہزادی صنم کے لباس سے لے کر لاکٹ تک سب نشانیاں بتادیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اندر سے شہزادی صنم کو پیش کیا جائے حکم کی دیر تھی شہزادی کو دلہن کے لباس میں پیش کر دیا گیا۔

ماجو اور اس کے بیٹے نے فوراً پہچان لیا۔

بادشاہ کہنے لگا "تمہیں شاید معلوم نہیں کہ یہ ہمارے وزیر مرحوم کی بیٹی ہے جس کو میرا بیٹا آپ کے ہاں سے لایا ہے اور آج ہم دونوں کی شادی کر رہے ہیں۔"

ماجو اور اس کا بیٹا خاموش کھڑے رہے۔

بادشاہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر تم ہماری بیٹی ہمیں دے دو تو ہم تمہارے بیٹے کی شادی اس کی مرضی کے مطابق جہاں وہ کہے کرنے کو تیار ہیں اور منہ مانگا انعام اس کے علاوہ دیں گے۔"

ماجو کی بجائے اس کا بیٹا راجو کہنے لگا "بادشاہ سلامت! ہم نے آپ کے انصاف کے بہت چرچے سنے تھے اور اسی وجہ سے فریاد لے کر حاضر ہوئے ہیں مگر یہاں ہمارے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ شہزادی صنم میری منگیتر ہے اور آپ اس کی شادی اپنے بیٹے کے ساتھ کر دینا چاہتے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

اقوال زریں

☆ جو لوگ تجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں ان سے علم حاصل کر اور جو نادان ہیں ان کو علم سکھا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

☆ جو شخص اپنے آپ کو گمراہ کرے اس کو کوئی دوسرا شخص کیسے راہ پر لا سکتا ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

☆ کمینہ وہ ہے جو خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے کسی کو کچھ دے تو احسان جتائے۔ (ابو عثمان مغربی)

☆ صادق وہ ہے کہ جب بھی اس کو دیکھو تو ویسا پاؤ جیسا کہ سنا تھا۔ (ابوالقاسم جنید)

☆ کہاوتیں اور مثالیں عقل مندوں اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ نادانوں کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

☆ جو ضرورت گناہ پر مجبور کرے شرعاً مردود ہے۔ (مجدد الف ثانی)

ماحول پر گہری خاموشی چھا گئی کئی لمحے یوں ہی گزر گئے۔

پھر بادشاہ کی سپاٹ آواز گونجی "نوجوان! ہم تم سے شرمندہ ہیں تمہارے ساتھ بے شک زیادتی ہوئی جس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔"

پھر بادشاہ نے مولوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "نکاح پڑھوایئے مولوی صاحب! ہمارے بیٹے کا نہیں بلکہ راجو کا۔ ہم اپنے انصاف کو دھبہ نہیں لگنے دیں گے۔"

سب کی نظریں شہزادے جہانگیر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

بادشاہ نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "کہو شہزادے! تمہیں بھی ہمارا فیصلہ منظور ہے۔"

شہزادہ بولا! بادشاہ سلامت! آپ کا حکم مجھے اپنی جان سے بھی عزیز ہے اور یہ فیصلہ تو انصاف کو زندہ رکھنے کے لیے کیا گیا ہے میں اس سے بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

بادشاہ کا سر فخر سے بلند ہو گیا اس نے اسی وقت تاج اتار کر بیٹے کے سر پر رکھ دیا اور اسے تخت پر بٹھاتے ہوئے کہا "تخت اس کو اس کا صحیح وارث مل گیا ہے اب ہمیں یادِ الٰہی میں مشغول ہو جانا چاہیے۔

نکاح کے بعد شہزادی صنم کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ بے پناہ دولت دے کر راجو کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔
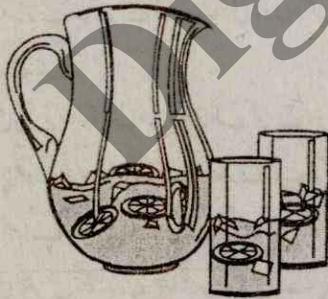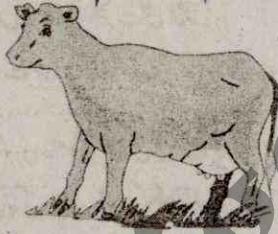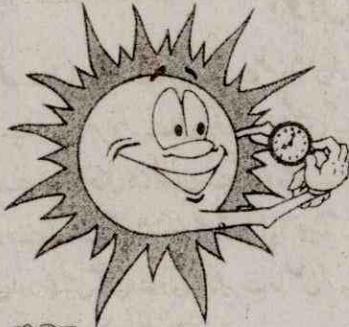
گرمی کی رُت

پھر سے گرمی کی رُت آئی
اور سُورج میں شدت لائی
گرم ہوا سے خوف آتا ہے
دُھوپ سے اب تو ڈر لگتا ہے
دُوپہریں ہیں سُونی سُونی
ہوتی تھیں جو اُجلی اُجلی
باغ بھی اب ویران پڑے ہیں
شام کو بارونق ہوتے ہیں
کھیل میں بھی اب لُطف کہاں ہے
گرمی سے بے حال انساں ہے
چوپائے بھی گھبرائے ہیں
پیڑ کے سایے میں آئے ہیں
بادل کا ٹکڑا بھی نہیں ہے
جھلس رہی گرمی سے زمیں ہے
اللہ ہی اب رحم کرے گا
زور جو گرمی کا توڑے گا

شاعر: امان اللہ نیرؔ شوکت

پیارے بچو! نٹ ایک ننھا منا سا پانی کا بھتنا تھا۔ وہ ایک بے حد ہرے بھرے خوبصورت سے چھوٹے سے گاؤں کے باہر واقع ایک جھیل میں رہا کرتا تھا۔ وہ جھیل بے حد گہری تھی، اس کا پانی شفاف اور نیلا تھا۔ اس جھیل کے ارد گرد اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی تھیں۔ گرمیوں میں سورج کی تیز دھوپ سے

پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمی برف پگھلنے لگتی تھی تو اس کا پانی پہاڑوں سے چھوٹے ندی نالوں کی صورت میں جھیل میں گرنے لگتا تھا۔ اس طرح جھیل میں خوب پانی آجاتا تھا۔ اس جھیل کے اردگرد گھنے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔ ایک طرف گھنا جنگل بھی واقع تھا۔ جھیل کے کناروں پر خوب ہری ہری گھاس اگی ہوئی تھی، جس پر گاؤں والوں کے مویشی چرتے پھرتے تھے۔ اس جھیل کا پانی چونکہ دوسرے ندی نالوں کے پانی کے مقابلے میں زیادہ تازہ اور صاف وشفاف تھا۔ اس لیے گاؤں کے لوگ زیادہ تر یہیں سے پانی بھرا کرتے تھے۔

وہ ننھا سا پانی کا بھتنا نٹ اسی خوبصورت نیلی جھیل میں رہا کرتا تھا۔ وہ بے حد شرارتی تھی، اسے ہر کسی کو ستانے چھیڑنے اور تنگ کرنے میں مزہ آیا کرتا تھا۔ وہ جھیل کے پانی میں خوب اچھلتا کودتا، اونچی اونچی چھلانگیں لگاتا، پانی کے چھینٹے اڑاتا، جھیل میں تیرنے والی مچھلیوں کا تعاقب کرتا، جھیل کی تہہ میں واقع کھوپوں اور کھڈوں میں سوئی ہوئی مچھلیوں کو طرح طرح سے ستاتا، گھونگھوں کے خول توڑ دیتا، جب گاؤں کے لوگ جھیل پر پانی بھرنے آتے وہ اکثر ان کے پانی کے برتنوں میں ریت مٹی اور آبی گھاس پھونس اور کیڑے مکوڑے بھر دیتا۔ خشکی پر بھی وہ کسی کو معاف نہ کرتا تھا۔ انسان، پرندے، جانور، درخت، پودے سب اس کی شرارتوں کا نشانہ بنتے تھے۔ وہ اکثر رات کو لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کے بستروں میں چھپکلیاں اور مینڈک چھوڑ دیتا، ان کے پانی کے گھڑوں میں رنگ گھول دیتا، مویشیوں کے باڑے میں گھس کر وہ سوئی ہوئی گائے بھینسوں کی دمیں گانٹھ کی صورت میں باندھ دیتا بھیڑوں کی اون جگہ جگہ سے کتر ڈالتا، بکریوں کے سینگ آپس میں رسی سے باندھ دیتا۔ سوئی ہوئی بلیوں اور کتوں پر پانی گرا دیتا، یوں ہر کسی کو ستا کر خوب مزہ آتا، اپنی ان شرارتوں سے وہ خوب لطف اندوز ہوتا، خوب ہنستا قہقہے لگاتا، جنگل میں جا کر وہ معصوم پرندوں کو ستاتا۔ وہ درختوں پر چڑھ کر ان کے گھونسلوں سے انڈے نکال کر توڑ دیتا۔ ان کے ننھے ننھے بچوں کو گھونسلوں سے نیچے گرا دیتا، سوئے ہوئے پرندوں کی دموں کے پر نوچ لیتا، گلہریوں اور خرگوشوں کو چھیڑتا انہیں ادھر ادھر دوڑاتا اور انہیں ہر طرح سے تنگ کرتا تتلیوں کے پر توڑ دیتا۔ شہد کی مکھیوں کے ڈنگ نکال دیتا اور ان کے چھتوں کو درختوں سے نیچے گرا دیتا، معصوم اور خوبصورت پھولوں کی پتیاں نوچ لینا، درخت کی شاخیں توڑ ڈالنا ان

کے تنوں میں جان بوجھ کر سوراخ اور گڑھے کر دینا۔ خودرو جھاڑیوں اور پودوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اس کا روزانہ کا معمول تھا، غرضیکہ نٹ کی شرارتوں سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ اور اسے سزا دینے کی تاک میں رہتے تھے مگر وہ ایسا چالاک اور ہوشیار تھا کہ کسی کے ہاتھ نہ آتا تھا۔

ایک صبح اس نے بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے جھیل میں تیرنے والی مچھلیوں کا تعاقب کیا۔ انہیں خوب دوڑایا اور تھکایا۔ پھر ایک کچھوے کو تنگ کیا، اس کے خول میں چھوٹے چھوٹے پتھر بھر دیئے اور اسکی تکلیف پر خوب قہقہے لگائے۔ جھیل کے پانی میں خوب اچھل پھاند مچائی، خوب پانی کے چھینٹے اڑائے اس کے بعد ایک گھونگا اپنے خول سے باہر نکل کر ادھر ادھر خوراک تلاش کرتا دکھائی دیا، نٹ کو جو شرارت سوجھی تو اس نے گھونگے کا خول توڑ دیا۔ گھونگا اس پر رونے اور چیخنے چلانے لگا تو نٹ نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور خوب قہقہے لگائے۔ ادھر آسمان پر اڑتے ایک کوے نے جو گھونگھے کے بغیر خول کو دیکھا تو اس نے تیزی سے نیچے جھپٹا مارا اور اس گھونگھے کو اپنی چونچ میں دبا کر اڑ گیا۔ نٹ کو اس نظارے نے اور بھی لطف دیا، وہ زور زور سے ہنستا ہوا وہاں سے آگے روانہ ہو گیا۔ جب وہ جنگل میں پہنچا تو وہاں اس نے خرگوشنی کو اپنے ننھے منے بچوں کے ساتھ گھومتے دیکھا۔ سے جو شرارت سوجھی تو اس نے ان کے قریب جا کر ایک دم ہی زوردار خوفناک آواز منہ سے نکالی، جسے سنتے ہی خرگوشنی اور اس کے بچے خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نٹ نے زور زور سے قہقہے لگائے پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ کچھ دور آگے چلنے کے بعد اسے گھاس پر ایک گائے بیٹھ جگالی کرتی دکھائی دی۔ وہ چپکے سے اس کے پیچھے چلا گیا اور اس کی دم پکڑ کر اسے ایک بڑی سی گانٹھ لگا دی۔ اس آفت پر گائے ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور دائرے کی صورت میں گھومتی ہوئی اپنی دم جھٹک جھٹک کر اس گانٹھ کو کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ نٹ ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا، پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ آگے اس نے کچھ رنگ برنگے پھولوں والے پودے اگے ہوئے دیکھے، ایک خوبصورت سے پھول پر ایک رنگ برنگی تتلی بیٹھی تھی۔

''آہا! کتنی خوبصورت تتلی ہے!'' وہ چپکے سے آگے بڑھا اور ایک دم اس تتلی کو پکڑ لیا اور خوشی خوشی اس کی پھڑ پھڑاہٹ روکنے کے لیے نٹ نے اس کے دونوں پر توڑ دیئے اور آگے بڑھ کر رنگا رنگ پھولوں کی پتیاں نوچ نوچ کر پھینکنے لگا۔ کچھ دیر تک وہ معصوم پھولوں پر یہ ظلم کرتا رہا۔

پھر اس شغل سے اکتا کر آگے بڑھ گیا۔ آگے پہنچتے پہنچتے جنگل گھنا ہوتا جاتا تھا۔ ایک جگہ اس نے ایک بڑے سے درخت کی شاخوں میں کسی پرندے کا گھونسلا بنا دیکھا۔ کسی شرارت کے خیال سے وہ فوراً اس درخت پر چڑھ گیا اور اس گھونسلے تک جا پہنچا۔ اس میں فاختہ کے نیلے نیلے خوبصورت انڈے رکھے تھے۔ اس نے گھونسلا الٹا کر سب انڈے نیچے گرا دیے جو زمین پر گر کر ٹوٹ گئے۔ اسی وقت بے چاری فاختہ بھی وہاں آگئی، اس نے جو اپنا گھونسلا تیار اور انڈے زمین پر ٹوٹے ہوئے پائے تو وہ بڑی دردناک آواز میں چیخنے چلانے لگی۔ نٹ ہنستا ہوا درخت سے نیچے اتر آیا اور خوشی سے اچھل اچھل کر اور تالیاں بجا بجا کر فاختہ کا رونا چلانا دیکھنے لگا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا، چلتے چلتے وہ ندی کے کنارے جا پہنچا، وہاں اگے ہوئے ایک درخت کی شاخ سے اسے ایک چمگادڑ الٹی لٹکی سوتی ہوئی دکھائی دی، اس کی آنکھیں ایک نئی شرارت کے خیال سے چمکنے لگیں۔ وہ چپکے سے اس درخت پر چڑھ گیا اور جس شاخ پر چمگادڑ الٹی لٹکی ہوئی سو رہی تھی۔ اسے چپکے سے کاٹ دیا۔ بے چاری چمگادڑ شاخ سمیت ایک دم نیچے ندی کے پانی میں جا گری اور بری طرح سے ڈبکیاں کھانے لگی۔ نٹ یہ تماشا دیکھ کر زور زور سے ہنسنے اور قہقہے لگانے لگا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا، آج اسے اس گھنے جنگل کی سیر کرتے ہوئے بڑا لطف آ رہا تھا۔ اس لیے وہ خوب اچھلتا کودتا دوڑتا بھاگتا جنگل میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پھر ایک دم ہی وہ ایک کھلے سے میدان میں نکل آیا، اس میدان میں اس نے ایک عجیب سا درخت کھڑے دیکھا، اس درخت کی جڑیں آسمان کی طرف اور ہرے پتوں سے بھری شاخوں والا تنا زمین کی طرف تھا۔ ایسے لگتا تھا گویا وہ درخت آسمان سے اگا ہوا ہو۔ اس کا تنا بے حد ہی چوڑا تھا۔ جو اوپر جاتے جاتے مزید چوڑا ہوتا جاتا تھا۔ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی خوب گھنی تھیں۔ اس کے پتے بڑے بڑے اور عجیب شکل کے تھے اور سیاہی مائل سبز تھے۔ وہ اتنا بلند و بالا درخت تھا کہ اس کی جڑیں ایک بہت سی عظیم چھتری کی شکل میں آسمان میں گھسی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ نٹ کچھ خوف اور کچھ حیرت و بے یقینی کے عالم میں اس درخت کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایسا عجیب و غریب درخت اپنی زندگی میں بھی نہ دیکھا تھا۔

اس درخت کو کافی دیر تک حیرت اور تجسس بھری نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد نٹ کے دل میں یہ خواہش مچلنے

لگی کہ اسے اس درخت پر چڑھ کر اس کی جڑوں میں پہنچنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ جڑیں آخر کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں اور وہ درخت آخر الٹا کس طرح کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اس کے قریب پہنچا اور اس کی شاخوں پر قدم رکھتا ہوا آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ کافی بلندی پر پہنچتے پہنچتے اسے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا۔ کیونکہ وہ درخت ہرگز عام درختوں جیسا نہ تھا اور نہ ہی اس کی لکڑی اور چھال عام درختوں جیسی تھی۔ اس سے خوشبو بھی عجیب ہی قسم کی آ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ نیچے اتر جائے اور اس جگہ سے بھاگ جائے۔ لیکن اس وقت تک وہ خاص بلندی پر پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ اپنے خوف اور گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے وہ اوپر ہی اوپر چڑھتا گیا۔ سینکڑوں فٹ اوپر جانے کے بعد درخت کی شاخوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا اور اس کا تنا شروع ہو جاتا تھا۔ جو اتنا کٹا پھٹا تھا کہ نٹ اس کے شگافوں اور گڑھوں میں قدم رکھتا بڑی آسانی سے بلندی چڑھتا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں درخت کی جڑوں تک پہنچ گیا۔

جڑوں میں پہنچ کر نٹ نے دیکھا کہ وہ واقعی ایک بہت بڑی چھتری کی صورت میں پھیلی ہوئی تھیں اور انتہائی بلندی پر گویا آسمان میں گھسی دکھائی دے رہی تھیں۔

ان جڑوں پر چڑھنے اور مزید اوپر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لیے وہ ان کے درمیان نیچے ہی نیچے گھومنے پھرنے لگا۔ جڑوں کا وہ جنگل اسے خوف زدہ کر رہا تھا۔ اسے وہ بے حد موٹی موٹی سیاہی مائل بھوری جڑیں بے حد بھیانک معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ خوف زدہ کچھ حیران و پریشان ان کے درمیان گھومتے پھرتے ان کے مرکزی حصے کی طرف آ نکلا۔ اس نے دیکھا اس جگہ ایک بڑا سا شگاف بنا ہوا تھا۔ اس کے اندر ایک سرنگ تھی، جو درخت کے تنے کے اندر ہی اندر دور تک چلی گئی تھی۔ اس نے اس شگاف کے اندر جھانکا اندر کچھ دور تک روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اسے اس سرنگ میں اتر کر دیکھنا چاہیے کہ آخر وہ سرنگ درخت کے تنے کے اندر کہاں تک چلی گئی تھی۔ یہ عجیب ہی بات تھی جو ایک درخت میں ایسی سرنگ موجود تھی۔ یہ سوچ کر اس نے اس شگاف کے اندر قدم رکھ دیا۔ سرنگ کی دیواریں کھردری تھیں۔ چنانچہ وہ اس کے شگافوں میں ہاتھ پیر لگاتا آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ کچھ دور نیچے اترنے کے بعد ایک مقام پر اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ قلابازیاں کھاتا ہوا تیزی سے نیچے جانے لگا۔ نیچے گھپ اندھیرا تھا۔ وہ اس اندھیرے خلا میں ہاتھ

پاؤں مارتے ہوئے خوف سے چیخنے چلانے لگا۔ لیکن وہاں کون تھا جو اس کی یہ چیخ و پکار سنتا اور اس کی مدد کو پہنچتا، وہ یونہی چیخ و پکار کرتا اندھیرے خلاء میں قلابازیاں کھاتا نیچے ہی نیچے گرتا گیا۔ پھر اچانک ہی اس تاریک خلا میں ایک بھیانک اور لرزا دینے والی آواز بلند ہوئی۔

''خاموش!''

اس کے ساتھ ہی نٹ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پاؤں کسی چیز پر آ ٹکے ہوں۔ وہ خوف زدہ حیران و پریشان اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسی لمحے وہ بھیانک آواز پھر بلند ہوئی۔

''شریر اور مفسد بھتنے! تمہیں آخر دوسروں کو ستا کر کیا لطف آیا کرتا ہے؟''

نٹ مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا، اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی، وہ آواز پھر گونجی۔

''تم آخر کیوں بے زبان جانوروں کو ستاتے ہو؟ کیوں انسانوں کو تنگ کرتے ہو، کیوں معصوم پرندوں کو دکھ دیتے ہو، معصوم تتلیوں اور پھولوں نے آخر تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم آخر کیوں دوسروں کو تکلیف دینے اور ان کا دل دکھانے میں لطف لیتے ہو؟''

''مجھے...... مجھے...... معاف کر دیا جائے۔''

نٹ گھگھیایا۔ فرط خوف سے وہ بری طرح سے کپکپا رہا تھا۔ ''مجھ پر...... رحم کیا جائے۔''

''خاموش!'' وہ آواز کڑکی، اس کے ساتھ ہی نٹ نے دیکھا کہ اس تاریک خلاء میں اس کے سامنے دو بڑی بڑی خوف ناک سرخ آنکھیں نمودار ہو گئیں۔ انہیں دیکھتے ہی نٹ کے منہ سے ایک ڈری ڈری سی چیخ نکل گئی، وہ فرط گھبراہٹ اور خوف سے اپنے آپ میں سمٹنے لگا، اسی وقت وہ بھیانک آواز پھر گونجی۔

''شریک بھتنے! تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بلاوجہ ستانے اور اس کا دل دکھانے کی کتنی سختی سے ممانعت کر رکھی ہے؟ اللہ کی جن مخلوقات کو تم ستاتے پھرتے ہو، انہوں نے کبھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑا، تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا، تمہیں کبھی کوئی معمولی سا دکھ نہیں دیا، پر تم کیوں انہیں تنگ کرتے ہو اور انہیں دکھ پہنچاتے ہو، تمہیں نہیں معلوم کہ ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ کتنا ناراض ہوتا ہے!''

''رحم ...... مجھ پر رحم کیا جائے ...... مجھے معاف کیا جائے۔'' نٹ فرط دہشت سے گھگھیایا۔

''ہرگز نہیں!'' وہ بھیانک آواز گونجی۔ ''تمہیں اپنی ان

شیطانی کرتوتوں کی ضرور سزا ملے گی۔ تمھیں ہرگز معاف نہ کیا جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ بھیانک سرخ آنکھیں آہستہ آہستہ نٹ کے قریب آنے لگیں، نٹ فرط دہشت سے بری طرح لرزنے لگا۔

"رحم...... رحم ...... مجھے معاف کر دیا جائے ...... میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں ...... میں توبہ کرتا ہوں کہ اب کسی کو نہ ستاؤں گا ...... کبھی کسی کو دکھ نہ دوں گا ...... میری توبہ ...... میری توبہ ...... مجھے معاف کر دیا جائے ...... مجھ پر رحم کیا جائے......"

وہ خوف ناک سرخ آنکھیں اس کے بالکل سامنے آ کر اسے گھورنے لگیں۔

"سچ کہہ رہے ہو! تم کیا سچا وعدہ کرتے ہو کہ آئندہ کسی کو دکھ نہ دوں گے اور نیک بن کر رہو گے؟"

"ہاں ہاں ......" نٹ جلدی سے بولا۔ "میں سچا وعدہ کرتا ہوں کہ اب آئندہ کسی کو نہ ستاؤں گا، کسی کا دل نہ دکھاؤں گا، میں نیک بن جاؤں گا، میں سب کے دکھ درد میں کام آیا کروں گا، میں پکا وعدہ کرتا ہوں ...... بالکل سچا اور پکا۔"

"ہم نے تمھاری باتوں کا یقین کیا۔" وہ بھیانک آواز گونجی، اس کے ساتھ ہی ایک زوردار گڑگڑاہٹ سی بلند ہوئی، نٹ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اندھیرے خلاؤں میں تیرتا چلا جا رہا ہو، پھر جانے سب وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس وقت اس خوف ناک درخت کے اس اندھیرے بھیانک تنے میں نہیں بلکہ اپنی جھیل کے کنارے دھوپ میں کھڑا تھا۔

پیارے بچو! اس واقعہ کے بعد نٹ ایک بے حد نیک اور شریف بھتنا بن گیا اب وہ نہ کسی کو ستاتا تھا نہ تنگ کرتا تھا، بلکہ وہ اب سب کا خیال رکھتا تھا، سب کے کام آتا تھا، سب کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرتا تھا، انسان، حیوان، پھول پودے پرندے درخت آبی جانور سب اس سے خوش رہتے تھے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ ایک نیک اور شریف بھتنا بن جانے کے بعد اس نے جب جنگل میں جا کر اس الٹے درخت کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو اسے وہ کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔

ایک تھا بادشاہ، اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی بہت خوبصورت تھی، نازک اتنی تھی کہ چنبیلی کے ایک پھول میں تولی جاسکتی تھی۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ چنبیلی کو فارسی زبان میں یاسمین کہتے ہیں، اور یہ کہانی چونکہ خلیج فارس سے تعلق رکھتی ہے اس لیے شہزادی کو سب چھوٹے بڑے شہزادی یاسمی کے نام سے پکارتے لگے۔

شہزادی جتنی حسین اور خوبصورت تھی اتنی ہی ذہین، خوش اخلاق اور سلیقہ شعار بھی تھی سب سے بڑی خوبی اس کی یہ تھی کہ وہ جانوروں اور اور پرندوں کی زبان بھی اچھی طرح سمجھتی تھی۔ سبھی اس کی خوبیوں اور صفات کے باعث اسے چاہتے تھے۔ باپ یعنی بادشاہ تو اپنی پیاری شہزادی پر جان چھڑکتا تھا۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ شہزادی کی پیاری ماں ملکہ اچانک ایک حادثہ سے مرگئی۔ بادشاہ نے جلدی جلدی دونوں بڑی بہنوں کی شادیاں کردیں، شہزادی یاسمین باپ کے پاس اکیلی رہ گئی۔

ایک دن بادشاہ کو بہت دو کسی دوسرے ملک سے بلاوا آیا، بڑی تیاریاں ہونے لگیں، شہزادی یاسمین نے اباّ کا سارا سامان اپنی نگرانی میں بندھوایا۔ جب بادشاہ شاہی محل کے بڑے دروازے سے باہر نکلنے لگے تو سب لوگ وہاں اکٹھے ہوگئے بادشاہ نے ہر ایک سے پوچھا کہ اس کے لیے کیا چیز لائی جائے؟ سب نے اپنی اپنی فرمائشیں بتائیں۔ لیکن چھوٹی شہزادیا اس وقت وہاں نہیں تھی۔ باپ کو اتنے طول سفر پر جاتا ہوا دیکھ کر اس کی بڑی بڑی کٹورا آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اور وہ اپنے آنسو چھپانے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہاں مصلیٰ بچھا کر اس نے نماز ادا کی، دونوں ہاتھ اٹھائے اور پھر رو رو کر خدا سے دعا کرنے لگی کہ اس کے ابا حضور خیرت سے واپس آجائیں، تبھی ایک نوکرانی دوڑ کر شہزادی یاسمین کے پاس پہنچی اور بولی: "بی بی! بادشاہ سلامت جارہے ہیں آپ سے پوچھا ہے کہ آپ کے لیے کیا چیز لائیں؟"

شہزادی یاسمین اس وقت اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگ رہی تھی۔ بیچ میں کیسے بولتی، ایک ہاتھ اٹھا کر آہستہ سے کہا: "صبر" مطلب یہ کہ ذرا ٹھہرو، ابھی بتاتی ہوں۔"

نوکرانی اتنی جلدی میں تھی کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں رکی، شہزادی کی بات سن کر وہ دوڑ کر باہر چلی گئی، بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوچکا تھا، اس نے وہاں سے جھک کر نوکرانی کی طرف دیکھا، اس نے منہ اٹھا کر زور سے کہا: "حضور شہزادی صاحبہ نے فرمایا ہے کہ "صبر" لیتے آیئے گا"

بادشاہ نے شوروغل میں کچھ سنا کچھ نہیں سنا، بہر حال اس نے اندازہ لگا لیا کہ "صبر" اس جگہ کی کوئی چیز ہوتی ہوگی۔ اسی لیے شہزادی نے فرمائش کی ہے، تبھی نقارے سے چھوٹ پڑی اور شاہی قافلہ اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔ کئی

دن کے سفر کے بعد بادشاہ ہمسایہ ملک کی راجدھانی میں پہنچا، وہاں کے بادشاہ نے جی بھر کر اس ملک کی سیر کی ایک ہفتے کے قیام کے بعد بادشاہ نے اپنے میزبان بادشاہ سے جانے کی اجازت مانگی، ساتھ ہی یہ بھی کہا: "بھائی! میری بیٹی یاسمین نے "صبر" لانے کی فرمائش کی تھی، آپ کے ملک میں اس نام کی کوئی چیز ہوتی ہے؟" لیکن اس نام کی کوئی چیز ہوتی تو ملتی۔ بادشاہ نے نفی میں سر ہلا دیا، مایوس اور افسردہ سا بادشاہ واپس روانہ ہونے والا تھا کہ اس ملک کے شہزادے اور ولی عہد سے اس کی ملاقات ہوئی، وہ سلطنت کے کسی ضروری کام سے ملک کے باہر گیا ہوا تھا۔ مہمان بادشاہ خوبرو شہزادے سے مل کر بہت خوش ہوا، اس نے شہزادے کو گلے لگایا، نام پوچھا، شہزادہ پہلے تو مسکرایا پھر کچھ سوچ کر بولا: "جی میرا نام "صبر" ہے۔ میں ایک اہم کام سے باہر گیا ہوا تھا"

بادشاہ شہزادے کا نام سن کر چونک پڑے، لیکن موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خاموش رہے، دفعتہً شہزادے کا باپ وہاں آ گیا۔ اس نے سارا واقعہ بیٹے کے گوش گزار کیا۔ شہزادہ یہ سن کر پہلے تو کچھ شرمایا، پھر بڑے ادب سے بولا: "بادشاہ! آپ پریشان نہ ہوں، میں آپ کی خدمت میں شہزادی صاحبہ کے لیے ایک تحفہ پیش کروں گا وہ ان کی خدمت میں پیش کر دیجیے گا۔" اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں گیا اور تھوڑی دیر بعد سرخ مخمل کا ایک ڈبہ اٹھا کر لایا اور دونوں بادشاہوں کے سامنے رکھ کر اسے کھولا، اس میں سونے کا ایک چھوٹا سا نازک پنکھا رکھا ہوا تھا، اس پر ہیرے جواہرات کے ساتھ شہزادے کا نام "صبر" کندہ تھا۔ بادشاہ یہ حسین اور قیمتی تحفہ پا کر بہت خوش ہوا، اس نے اس صندوقچی کو اپنے خاص سامان میں رکھ لیا۔

کچھ دن کے سفر کے بعد بادشاہ خیرت کے ساتھ واپس اپنے محل میں پہنچ گیا، سب لوگوں کو تحائف دینے کے بعد اس نے شہزادی کو بلایا اور اسے مخمل کی وہ خوبصورت صندوقچی پیش کی، شہزادی اتنا حسین اور قیمتی تحفہ پا کر بہت خوش ہوئی، وہ اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی اور بڑی حفاظت کے ساتھ الماری میں رکھ دیا۔

پھر جب گرمیوں کا موسم آیا تو ایک دن شہزادی اپنا کمرہ اندر سے بند کیے پلنگ پر لیٹی ہوئی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی کہ لیٹے لیٹے اچانک اسے خیال آیا کہ ابا حضور جو قیمتی پنکھا لائے تھے وہ تو میں نے ابھی تک ایک مرتبہ بھی استعمال نہیں کیا۔ دیکھنا چاہیے کہ اس قیمتی اور خوبصورت پنکھے سے

ہوا کیسی نکلتی ہے۔ اف میرے اللہ! آج کیسی غضب کی گرمی پڑ رہی ہے" اتنا سوچ کر وہ اٹھی، الماری کھولی، صندوقچی میں سے سونے کا پنکھا نکالا پھر پلنگ پر لیٹ گئی اور پنکھے کو جھلنے لگی۔ ابھی اس نے ایک بار ہی پنکھا ہلایا تھا کہ دیکھتی کیا ہے کہ سامنے ایک شہزادہ کھڑا ہے، لمبا قد، بڑی بڑی روشن آنکھیں، خوبصورت رو اور ہنس مکھ شاہی لباس زیب تن کیے کمر میں تلوار لٹکائے وہ بڑی شان سے آگے بڑھا اور بڑے تپاک سے شہزادی یاسمین کو آداب کہا۔

شہزادی ایک اجنبی شہزادے کو اپنے کمرے میں دیکھ کر ڈر گئی۔ اس نے لپک کر تخت پر سے دوپٹہ اٹھا کر اوڑھا اور دروازے کی طرف بھاگی، لیکن شہزادے نے اس کے دوپٹے کا لہراتا ہوا آنچل پکڑ لیا اور بولا: "شہزادی یاسمین، کیا آپ کے یہاں گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے؟ میں اتنی دور سے آیا ہوں اور آپ ہیں کہ بھاگی جا رہی ہیں۔ میں تو آپ کے بلانے پر ہی یہاں آیا ہوں"

شہزادے کی یہ باتیں سن کر شہزادی یاسمین کو بہت غصہ آیا، وہ بولی: "یہ بتایئے آپ ہیں کون؟ اور میرے کمرے میں اس طرح آنے کی آپ کی جرأت کیسے ہوئی؟"

شہزادہ مسکراتے ہوئے بولا: "شہزادی! میرا نام صبر شہزادہ ہے، میں فلاں ملک کے بادشاہ کا اکلوتا بیٹا ہوں، یہ بتایئے کیا آپ نے اپنے ابا جان سے صبر نہیں منگوایا تھا؟"

میں نے ہی یہ پنکھا آپ کے ابا حضور کو دیا تھا۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ اسے سیدھی طرف جھلنے سے میں فوراً اس کے پاس پہنچ جاتا ہوں جو اسے جھلتا ہے۔ اگر آپ کو میرا آنا ناگوار گزرا ہے تو آپ ایسا کیجیے اس پنکھے کو الٹی طرف جل دیجیے، میں واپس چلا جاؤں اور ہاں اس بات کا یقین رکھو میں یہاں کسی برے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔ میں آپ کو کسی حالت میں بھی ناراض نہیں دیکھنا چاہتا......

یہ سب باتیں سن کر اچانک شہزادی کو یاد آیا کہ اس نے نوکرانی سے کہا تھا: "صبر" اور یہ سب اسی صبر، کہنے کا نتیجہ ہے۔ وہ نوکرانی کی نادانی پر مسکرا اٹھی، اتنے میں کچھ آہٹ ہوئی، شہزادی سہم گئی، ہائے اللہ! کوئی آ رہا ہے" شہزادی کو خوف زدہ اور پریشان دیکھ کر صبر شہزادہ آہستہ سے بولا: "شہزادی پنکھا فوراً الٹا جھل دیجیے۔"

شہزادی نے پنکھا الٹا جھل دیا، شہزادہ یک دم غائب ہو گیا، شہزادی پلنگ پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ یہ جو کچھ میں نے ابھی دیکھا محض میرا وہم تھا یا حقیقت تھی؟

دوسرے دن وہ پنکھا لے کر شاہی باغ کے ایک

پرسکون گوشے میں پہنچی اور اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پنکھا سیدھی طرف ہلایا، پنکھا جھلنے کی دیر تھی کہ ایک دم شہزادہ مسکراتا ہوا سامنے آ کھڑا ہوا، شہزادی نے شہزادے کو اپنے باغ کی سیر کرائی دونوں نے کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کیں اور پھر شہزادی کے پنکھا الٹا جھلنے پر شہزادہ واپس چلا گیا۔

پھر تھوڑے دنوں بعد شہزادے کے باپ نے اپنے بیٹے کی خاطر شہزادی یاسمین کے لیے پیغام بھیجا، بادشاہ تو پہلے ہی شہزادی کو اپنی بیٹی کے لیے پسند کر چکا تھا، اس نے بڑی خوشی سے یہ رشتہ منظور کر لیا۔ ایک ہفتے بعد بڑی شان وشوکت کے ساتھ بات آئی اور شہزادی یاسمین کا بیاہ شہزادے کے ساتھ ہو گیا۔ یہ سب دیکھ کر شہزادی یاسمین کو دونوں بہنیں جل کر راکھ ہو گئیں۔

شادی کے بعد "صبر" شہزادہ کچھ دن کے لیے سسرال ہی میں رہ گیا اور بارات واپس چلی گئی۔

ایک دن شہزادی یاسمین کی بہنوں نے بہت سی چوڑیاں توڑیں اور باریک پیس کر شہزادے کے بستر پر بچھا دیں اور پھر ان پر ایک باریک زری کی چادر ڈال دی رات کو کھانے کے بعد دونوں بہنیں اپنے گھر چلی گئیں، ادھر شہزادہ آرام کرنے کے لیے بستر پر لیٹ گیا لیکن لیٹتے ہی وہ زور سے چلایا: "شہزادی" جلدی سے پنکھا جھلو، ہمارے ساتھ کسی نے دھوکا کیا ہے"

بے چاری شہزادی یہ سن کر گھبرائی ہوئی آئی "کیا ہوا؟ کیا ہوا؟"

"تم پہلے پنکھا جھلو! میری جان نکل رہی ہے، پھر دیکھنا کہ بستر پر کیا ہے؟"

شہزادی نے پنکھا الٹا جھل دیا شہزادہ غائب ہو گیا، شہزادے کے جانے کے بعد شہزادی نے اس کا بستر دیکھا تو اپنا سر پیٹنے لگی، ہائے! اس کی بہنوں نے اس مظلوم کے ساتھ ایسا کیوں کیا، جلدی سے اس نے بستر تبدیل کیا، اور پھر سیدھی طرف پنکھا جھلا تاکہ شہزادہ آرام سے لیٹ جائے۔ لیکن اسے بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اس نے بار بار پنکھا جھلا لیکن شہزادہ پھر وہاں نہیں آیا، آتا بھی کیسے! وہ تو اپنے محل میں بستر پر تڑپ رہا تھا۔

شہزادی نے سوچا اسے خود شہزادے کے اس جا کر اس کی خبر گیری کرنا چاہیے۔ لیکن پھر اس نے سوچا، اس طرح سسرال میں جانا اس کے لیے ٹھیک نہیں، دفعتہً اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، اس نے مردانہ لباس پہن کر ایک طبیب کا بھیس بدلا اور باپ کی اجازت سے وہ

شہزادے کے ملک کی طرف چل دی۔

سنسان جنگل تھا، رات کا وقت تھا، چاند کی روپہلی کرنیں درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر زمین پر پڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چھلنی سے چاندی چھن کر نکل رہی ہو! درخت پر چکوا اور چکوی کا ایک جوڑا بیٹھا آپس میں باتیں کر رہا تھا۔ شہزادی یاسمین پرندوں کی بولی تو سمجھتی تھی۔ اس نے ان کی باتیں غور سے سنیں تو پتہ چلا کہ چکوا کہہ رہا تھا اگر کوئی ہماری بیٹ کو پیس کر شہزادے کے جسم پر لیپ کر دے تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

شہزادی یاسمین چکوے کی یہ بات سن کر فوراً اٹھی اور درخت کے آس پاس پڑی ہوئی ان کی بیٹیں اٹھا کر اپنی جیب میں رکھنے لگی۔ جب کافی جمع ہو گئیں تو وہ جلدی سے اٹھی اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔

اب ذرا شہزادے کی سنیے۔ وہ بستر پر نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑا تھا۔ شاہی طبیبوں نے اس کا بہتر علاج کیا، لیکن وہ ٹھیک نہیں ہوا، آخر میں بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص شہزادے کو اچھا کرے گا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ اتفاق کی بات، جس وقت یہ اعلان کیا جا رہا تھا عین اسی وقت شہزادی یاسمین مردانہ لباس میں تھی وہاں پہنچ گئی۔

اس نے جلدی سے چکوا چکوی کی بیٹوں کو پیس کر مرہم تیار کیا اور شہزادے کے بدن پر لیپ کر دیا۔ مرہم لگانے کی دیر تھی کہ لوگوں نے خدا کی قدرت کا تماشا دیکھا۔ چوڑیوں کے باریک ٹکڑے اس طرح شہزادے کے جسم سے نکل کر جھڑنے لگے، جیسے کوئی مصری پیس کر فرش پر بکھیر رہا ہو!

بادشاہ اپنے بیٹے کو تندرست اور صحت مند دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے طبیب کا شکریہ ادا کیا اور بولا مانگیے کیا مانگتے ہیں، جو مانگیں گے سو پائیں گے۔

طبیب بادشاہ کی یہ بات سن کر مسکرایا، بولا: "مجھے کچھ نہیں چاہیے، ہاں اگر آپ کچھ دینا ہی چاہتے ہیں تو مجھے وہ انگوٹھی عنایت کر دیجیے جو شہزادے نے پہن رکھی ہے۔"

شہزادہ بھلا وہ انگوٹھی کیسے دے سکتا تھا وہ تو اس کی شادی کی انگوٹھی تھی، اس نے انکار کر دیا طبیب مایوس ہو کر جانے لگا تو ملکہ نے شہزادے کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر طبیب کے ہاتھ پر رکھ دی۔

شہزادہ ماں کے آگے کچھ نہ بول سکا، طبیب انگوٹھی لے کر چپ چاپ محل سے چلا گیا۔

شہزادی یاسمین نے واپسی اپنے محل میں پہنچ کر مردانہ لباس اتار کر قیمتی کپڑے زیب تن کیے۔ اچھے اچھے زیور

اقوالِ زریں

☆ اللہ وہی کرتا ہے جو تمہارے لیے مفید ہے لیکن تم کم علمی سے اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ ﴿عبدالقادر جیلانی ؒ﴾

☆ دنیا کی ہر دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے لیکن علم بڑھتا ہے۔ ﴿حضرت علی ؓ﴾

☆ والدین کے چہروں پر محبت سے نظر کرنا بھی خدا کی خوشنودی کا موجب ہے۔ ﴿خواجہ اجمیری ؒ﴾

☆ وہ خدا کے بہت قریب ہے جو خوش خلق اور دوسروں کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔ ﴿بایزید بسطامی ؒ﴾

☆ لوگ بیماری کے ڈر سے غذا چھوڑ دیتے ہیں لیکن عذاب الٰہی کے خوف سے گناہ نہیں چھوڑتے۔ ﴿حضرت علی ؓ﴾

پہنے، ماتھے پر جھومر سجایا، ناک میں نتھ پہنی، گلے میں موتیوں کی مالا اور کانوں میں ہیرے کے جھمکے پہنے، ہاتھوں میں سہاگ کی لال چوڑیاں پہنیں دروازہ اندر سے بند کیا اور صندوقچی سے پنکھا نکال کر آہستے سے جھلا۔

صبر شہزادہ مسکراتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ دونوں ایک بار پھر ایک دوسرے کو زندہ سلامت پا کر بہت خوش ہوئے شہزادی یاسمین نے شہزادے کی انگلی میں اپنی انگوٹھی نہ دیکھی تو شکایت آمیز لہجہ میں بولی: "شہزادے! میری انگوٹھی آپ نے کھو دی؟"

شہزادے نے سارا حال سنایا، لیکن شہزادی کو یقین نہ آیا، جب شہزادے نے قسمیں کھائیں تو شہزادی نے تکیے کے نیچے سے انگوٹھی نکالی اور ہتھیلی پر رکھ کر شہزادی سے پوچھا: "یہ آپ نے کس طبیب کو دی تھی؟"

یہ دیکھ کر شہزادے کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا اور وہ شہزادی یاسمین کی وفا شعاری اور خدمت کی تعریف کرنے لگا۔ اگلے دن شہزادی یاسمین بہت سا جہیز اور باپ کی دعائیں لے کر اپنے سسرال چلی گئی اور وہاں ہنسی خوشی رہنے لگی۔ سسرال میں آنے کے کئی روز بعد شہزادے نے اسے بتایا کہ اس کا نام تو شہزادہ بہرام ہے۔ صبر نام تو اس نے ایک پری کے کہنے پر رکھ لیا تھا، اس پری نے ہی شہزادے کو وہ انوکھا پنکھا دیا تھا، سچ ہے کہ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی، جہاں تک ہو سکے ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنی چاہیے۔

لالچ کی سزا

ضیاء امجد

برسوں پہلے کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں دو بھائی رہتے تھے۔ بڑے بھائی کا نام ذیشان اور چھوٹے کا نام سلیمان تھا۔ دونوں کے والدین ان کے بچپن میں ہی انتقال کر چکے تھے اور اپنے بیٹوں کے لیے بہت تھوڑی جائیداد چھوڑی۔ جن میں ایک زمین کا ٹکڑا اور ایک گائے اور ایک کتا شامل تھے۔ اگرچہ دونوں بھائی بڑے سلوک سے

رہتے تھے مگر بڑا بھائی ذیشان طبعاً کام چور اور لالچی تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت سو کر اور آوارہ گردی میں گزارتا۔ جب کہ سلمان نہ صرف کھیت کی دیکھ بھال کرتا بلکہ گائے اور کتے کے علاوہ گھر کے کام کاج کی ذمہ داری بھی اسی کی تھی۔

سلمان کی شب و روز محنت سے جب کھیت لہلہانے لگا اور گائے بھی خوب موٹی تازی ہوگئی، تو لالچی بڑے بھائی کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ وہ کھیت اور گائے کے دودھ کی ساری کمائی خود حاصل کرے۔ چنانچہ ایک روز اس نے سلمان کو بلا کر کہا: میرے بھائی! ہم اب کافی بڑے ہو چکے ہیں، لہٰذا اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی جائیداد کو تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔ سلمان کو اگرچہ یہ تجویز پسند نہ آئی کیونکہ وہ مل کر رہنے کو ترجیح دیتا تھا تاہم بڑے بھائی کے آگے خاموش ہو رہا اور کچھ نہ بولا۔

اب جو جائیداد کی تقسیم کا وقت آیا تو ذیشان نے چھوٹے بھائی پر رعب ڈال کر گائے اور کھیت کا بہتر حصہ خود لے لیا جب کہ کتا اور کھیت کا نسبتاً کم پیداوار والا خطہ سلمان کے سپرد کر دیا۔ سلمان نے اس پر بھی قناعت کی اور خاموشی سے اپنا حصہ قبول کر لیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ اپنی محنت سے اس سے بہت کچھ حاصل کر لے گا۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ذیشان نہایت سست اور کام چور تھا۔ لہٰذا نہ تو وہ گائے کو صحیح طور پر چارہ دیتا اور نہ کھیت میں ہل چلاتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گائے سوکھ کر ڈھانچہ بن گئی اور لہلہاتا کھیت بنجر ٹکڑے میں تبدیل ہو گیا۔ ادھر سلمان اپنے حصے کی زمین پر بہت محنت کر رہا تھا اور اس پر نہایت شاندار فصل اگی۔ اس کے علاوہ اس نے کتے کی بھی اس بھرپور طریقے سے پرورش کی کہ وہ نہایت موٹا تازہ ہو گیا۔

جب اگلی فصل بونے کا وقت آگیا تو سلمان کو بڑی پریشانی ہوئی کیونکہ اس کے پاس کوئی بیل نہ تھا، گائے بھی بڑے بھائی نے ہتھیا لی تھی۔ چنانچہ وہ خود ہی زمین پر ہل چلانے لگا۔ سلمان کے کتے نے جب اپنے مالک کو اس قدر محنت کرتے دیکھا تو وہ ایک روز اس کے پاس آیا اور اس کے ہاتھ سے ہل کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ دراصل کتا اسے یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ ہل چلانے کا کام اسے سونپ سکتا ہے، چنانچہ سلمان نے جب اسے ہل کے آگے جوتا تو وہ واقعی اسے چلانے میں کامیاب ہو گیا۔

ادھر جب ذیشان نے دیکھا کہ سلمان کے حصے کی زمین پر ہل چلا ہوا ہے، تو بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا:

''سلمان! تم نے بغیر بیل کے کس طرح سے اتنی جلدی اپنی زمین کی گوڈی کرلیا'' سلمان نے بتایا: ''بڑے بھائی! یہ میرا نہیں، کتے کا کمال ہے، اب یہ اس قدر صحت مند ہو چکا ہے کہ ہل کا بوجھ اٹھا کر اسے چلا سکتا ہے'' ذیشان بولا: ''اچھا! تم ایسا کرو کہ مجھے بھی چند دن کے لیے کتا ادھار دے دو، میں اسے جلدی واپس کردوں گا۔''

سلمان چونکہ نہایت نیک طبع کا مالک اور شریف لڑکا تھا، لہٰذا اس نے بڑے بھائی کو کتا ادھار دینے کا وعدہ کرلیا جب سلمان کے کھیت کا کام مکمل ہوگیا تو وعدے کے مطابق اس نے کتا بھائی کے حوالے کردیا۔ جب ذیشان نے کتے کو جوتا، تو اس نے ایک قدم بھی چلنے سے انکار کردیا، ذیشان کو بے حد غصہ آیا چنانچہ اس نے اسے مارنا شروع کردیا مگر کتا تھا کہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ ذیشان اسے برابر مارتا رہا یہاں تک کہ کیا مر گیا۔

ادھر سلمان رات کو کتے کو نہ پا کر بڑا پریشان ہوا اور اسے ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا سلمان نے قریبی پڑوسیوں سے دریافت کیا کھلیانوں میں ڈھونڈا مگر کتا ندارو۔ جب وہ مایوس گھر لوٹا تو جھونپڑی کے پچھواڑے میں اسے کتے کی لاش مل گئی۔ بس پھر کیا تھا سلمان مارے غم کے نڈھال ہوگیا تھا کیونکہ اسے کتے سے بے حد انس ہوگیا تھا۔ خیر بیچارہ صبر کرتا ہوا کتے کی لاش کو جھونپڑی کے قریب ہی دفنا کے لیے لے گیا۔

سلمان ہر روز کتے کی قبر پر جاتا اور روتا ایک دن کیا دیکھتا ہے کہ کتے کی قبر پر سنہری بانس کا پودا لگا ہوا ہے۔ اگلے دن وہاں ایک پورا بانس نکل آیا تھا۔ سلمان نے اسے چھو کر دیکھنا چاہا۔ جب بانس ذرا ہلا تو اچانک اس کے اوپر سے سونے اور چاندی کی اشرفیاں گرنا شروع ہوگئیں سلمان یہ اشرفیاں اٹھا کر گھر لے آیا اور اس سے اس نے گھر کا کافی ساز و سامان خرید لیا اب سلمان روزانہ وہاں جاتا اور بانس کو ہلا کر ڈھیر ساری اشرفیاں لے آتا۔

جب ذیشان کو پتہ چلا کہ سلمان کے پاس بہت سی اشرفیاں ہیں، تو اس نے بھائی سے دریافت کیا: ''سلمان! تمہارے پاس یہ اتنی ساری دولت کہاں سے آئی؟'' سلمان نے اسے سارا ماجرا سچ سچ بیان کردیا ذیشان نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی بانس سے اشرفیاں حاصل کرے گا۔ اب وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا جیسے ہی رات ہوئی، وہ درخت کو ہلانے کے لیے چلا گیا مگر یہ کیا! درخت میں سے اشرفیوں کی بجائے موٹے موٹے پتھر اور کنکریاں برسنے

لگیں۔ اسے بہت غصہ آیا، فوراً گھر آ کر اس نے تیز چھری لی اور درخت کو کاٹ دیا۔

ادھر جب سلمان نے اگلے روز بانس کے درخت کو کٹا ہوا دیکھا تو اسے بڑا دکھ ہوا۔ اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کیوں نہ ٹوٹے ہوئے بانس کو کام میں لایا جائے اور اس سے ایک ڈربہ تیار کر لیا۔ ڈربہ اس نے اپنی جھونپڑی کے باہر صحن میں رکھ دیا، اگلے دن جب صبح کو وہ اٹھا تو کیا دیکھتا ہے اوس پڑوس کی تمام مرغیاں اس کے ڈربے میں جمع ہیں اور انڈے دے رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد مرغیاں چلی گئیں، ڈربہ انڈوں سے بھرا ہوا تھا، سلمان بڑا خوش ہوا۔

اب یہ روزانہ معمول بن گیا کہ صبح کے وقت مرغیاں آتیں اور انڈے دے کر چلی جاتی، ذیشان کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے سلمان سے کہا! آخر تمہارے اس ڈربے میں کیا جادو ہے کہ تمام مرغیاں اتنے سارے انڈے دے کر چلی جاتی ہیں؟ اس پر سلمان نے اسے بانس کے ٹوٹنے اور اس سے ڈربہ بنانے کا سارا واقعہ سنایا۔ ذیشان نے سوچا ضرور یہ جادو کا ڈربہ ہوگا، لہٰذا اس نے یہ ڈربہ بھی سلمان سے کچھ دنوں کے لیے ادھار مانگ لیا، سلمان نے بخوشی اسے ڈربہ بھی ادھار دے دیا۔

اب جو ذیشان صبح اٹھا اور ڈربے کے اندر انڈے نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا، تو ایک دم چیخ اٹھا، کیونکہ اس میں انڈوں کی بجائے شہد کی مکھیاں بھری تھیں۔ مکھیوں نے ذیشان پر اس بری طرح حملہ کیا تھا کہ اس کا منہ اور سارا جسم سوجھ گیا اور وہ دو روز تک مسلسل سینک کرتا رہا۔

جب ذیشان ٹھیک ہوا تو سب سے پہلے اس نے ڈربے کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے آگ لگا دی۔

چند روز بعد جب سلمان نے اپنے ڈربے کے متعلق استفسار کیا، تو نہایت صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے ذیشان نے کہا: "بھیا! نا معلوم کس طرح سے رات کو ڈربے میں آگ لگ گئی، میں نے صبح اٹھ کر دیکھا تو صرف راکھ ہی باقی رہ گئی تھی۔ سلمان بیچارہ پریشان ہوا، بالآخر اس نے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ اس کے خیال میں اسے یہاں کی کوئی چیز راس نہ آئی تھی، جاتے وقت سلمان ڈربے کی راکھ اٹھا کر لے گیا تاکہ جب نئی جگہ وہ کھیتی باڑی کرے تو اسے بطور کھاد استعمال کر سکے۔

سلمان نے گاؤں کے ایک دور افتادہ علاقے میں ایک جھونپڑی بنائی اور وہیں ڈیرہ ڈال دیا، قریبی بنجر زمین پر

اس نے آہستہ آہستہ ہل چلانا شروع کر دیا، وہ روانہ زمین کو پانی دیتا۔ جب زمین ذرا صحیح ہوئی تو اسے نے اس میں تربوز کے بیج بو دیئے اور ڈربے کی راکھ کھاد کے طور پر چھڑک دی، صبح اٹھ کر جب وہ کھیت پر دوبارہ کام کرنے لگا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نہ صرف بیج پھوٹ چکے ہیں، بلکہ تربوز کی بیلیں بھی بھر آئیں تھیں۔ اگلے دن ان بیلو کے ساتھ ہر بھرے تربوز لگ چکے تھے۔

ان تربوزوں میں ایک تربوز سب سے بڑا تھا۔ اتنا بڑا کہ ایک آدمی اس کے اندر بآسانی سما سکتا تھا۔ سلمان نیا س تربوز کو تربوزوں کا بادشاہ کا نام دے ڈالا۔ اب وہ ہر روز تربوز توڑتا اور ان کو منڈی میں لے جا کر فروخت کر دیتا ایک روز سلمان نے محسوس کیا کہ اس کے کھیت میں تربوزوں کی تعداد میں مسلسل کمی ہوتی جا رہی ہے۔

وہ سونے سے قبل رات کو تمام تربوز گن لیتا اور صبح اٹھنے پر اسے پتہ چلا کہ آدھے سے زیادہ تربوز غائب ہیں۔

ایک دن سلمان نے چور کو پکڑنے کا منصوبہ بنایا اور رات کے وقت تربوزوں کے بادشاہ کو اندر سے خالی کر کے اس کے اندر بیٹھ گیا، جب رات کے دو پہر گزر گئے تو اچانک اسے قدموں کی چاپ کی آواز سنائی دی، وہ اب چپ چاپ دیکھنے میں مصروف ہو گیا، کیا دیکھتا ہے کہ بندروں کی ایک قطار کھیت کے اندر چلی آ رہی ہے۔ ہر بندر نے کھیت میں پہنچ کر ایک ایک تربوز توڑا اور ابھی وہ فرار ہونے کو ہی تھے کہ سلمان نے تربوز کے اندر سے زور سے "اوئے" کی آواز لگائی، بندر فوراً ڈر گئے اور تربوز وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اگلے روز سلمان دوبارہ تربوز کے اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔ ادھر بندروں کا خیال تھا کہ تربوز کے اندر ضرور کوئی بھوت ہے، لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے دیوتا بندر کی روح کو بلوا کر اس سے تربوز کو دور افتادہ علاقے میں پھینکوا دیں گے۔ بندر اپنے ساتھ اپنے سونے اور چاندی کے دیئے اٹھا لائے۔ کھیت میں پہنچ کر انہوں نے دیئے جلائے اور دیوتا بندر کی روح کو بلانے کے لیے اس کے گرد ناچنا شروع کر دیا۔

سلمان نے یہ ماجرا دیکھا تو بندروں کو بھگانے کے لیے دوبارہ تربوز کے اندر سے وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بندروں کے جانے کے بعد سلمان نے سارے سونے کے دیئے اٹھائے اور اسی روز ان میں سے چند شہر میں فروخت کر آیا، اب وہ ایک بار پھر امیر ہو چکا تھا ادھر

ذیشان کو کسی نے خبر دی کہ سلمان کو بازار میں سونے کے دیئے فروخت کرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ لالچی بھائی کا یہ سننا تا کہ وہ اسی روز اپنے بھائی کے گھر پہنچ گیا اور اس سے کہنے لگا: "بھیا تمہارے پاس سونے کے اتنے سارے دیئے کہاں سے آئے؟ کیا تم سب چیزیں چوری کرتے ہو؟"

سادہ لوح سلمان نے سارا قصہ بھائی کے گوش گزار کر دیا یہ واقعہ سن کر ذیشان کی رال ٹپکنے لگی اور اس نے بھی تربوز میں بیٹھنے اور بندروں کے دیئے حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس روز جب بندر وہاں آئے تو ارادہ کر کے آئے تھے کھوڑے تربوز سے وہ ضرور نجات حاصل کریں گے۔ چنانچہ اس روز وہ کافی تعداد میں آئے تا کہ خود ہی تربوز کو اٹھا کر خود ہی کہیں پھینک آئیں۔ کیونکہ ان کے دیئے تو وہیں رہ گئے تھے جب وہ اپنے دیوتا کی روح کو بھی نہ بلا سکتے تھے۔ بندروں نے آتے ہی تربوز کو اٹھایا اور اسے لے کر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ بڑا بھائی نہایت سست اور سونے کا عادی تھا، چنانچہ جب بندر تربوز کو لے کر جا رہے تھے تو وہ اس کے اندر بے خبر سو رہا تھا۔ بندر پہاڑی علاقے میں اونچائی کی طرف جا رہے تھے۔ ذیشان نے جب ہچکولے محسوس کیے تو یکدم اس کی آنکھ کھل گئی جب اس نے باہر دیکھا تو وہ ہڑ بڑا اٹھا اور بوکھلاہٹ میں اس کی چیخ نکل گئی۔

بندر اس چیخ سے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ انہوں نے تربوز پہاڑی پر ہی پھینک دیا اور فرار ہو گئے اب یہ تربوز لڑھکتا ہوا پہاڑی سے گرنے لگا راستے میں نہ صرف تربوز کے پرخچے اڑ گئے، بلکہ ذیشان کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور یوں اسے اپنی نااہلی اور لالچ کی سزا مل گئی۔

اقوال زریں

☆ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، آگ کو پانی سے ہی بجھایا جا سکتا ہے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کرے۔ (حضور اکرم ﷺ)

☆ جسے اللہ ذلیل کرنا چاہے وہ دولت کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ (حسن بصری ؒ)

پیاری بہنا

میری اچھی پیاری بہنا
تم بھی پہنو علم کا گہنا

رات اندھیری ناچ رہی ہے
فطرت لیکن جاگ رہی ہے

آسمان پر چمکیں تارے
جیسے چاندی کے فوارے

یہ تارے ہیں اپنے ساتھی
کہتے ہیں کچھ بات نرالی

وقت بہت ہے نیکی کر لو
خوشیوں سے تم دامن بھر لو

میری پیاری پیاری بہنا
بھیا کا تم مانو کہنا

امتیاز ہاشمی

حقیقی شہزادی

تاریخ نے فرعون کی خادمہ کا عمل محفوظ رکھا ہے۔ یہ انتہائی نیک خاتون تھیں جو اپنے شوہر کے ساتھ مملکت فرعون میں رہتی تھیں۔ اس کے شوہر کا شمار فرعون کے مصاحبوں میں ہوتا تھا۔ خود وہ فرعون کی بیٹیوں کی خادمہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی پر احسان کرتے ہوئے انہیں ایمان کی بے پناہ دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ فرعون کو اپنے مصاحب شوہر مشاطہ کے ایمان کی خبر ہو گئی اور فرعون نے اسے سفاکی سے قتل کر دیا۔ مشاطہ بے چاری بدستور فرعون کے ہاں آتی اور اپنے ننھے منے بچوں کا پیٹ پالتی رہی۔

ایک روز مشاطہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی۔ اس دوران کنگھی اس کے ہاتھ سے پھسل کر زمین پر جا گری۔ مشاطہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا: بسم اللہ! فرعون کی بیٹی بولی: اللہ! یعنی میرے والد؟

مشاطہ نے قدرے بے سختی سے آواز بلند کرتے ہوئے کہا: "ہرگز نہیں، وہ اللہ جو میرا، تیرا اور تمہارے والد کا رب ہے۔"

فرعون کی بیٹی کو حیرت ہوئی کہ میرے والد کے علاوہ بھی کوئی ہستی ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس نے اپنے والد فرعون کو بتلایا تو اسے بھی انتہائی تعجب ہوا کہ کیا اس محل میں میرے سوا بھی کسی کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس نے مشاطہ کو بلا بھیجا:

کون ہے تمہارا رب؟ فرعون نے گرج کر پوچھا: فرعون نے مشاطہ کو حکم دیا کہ اپنا دین چھوڑ دے۔ وہ نہ مانی تو سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور قید خانے میں ڈال کر اذیتیں دو۔ مشاطہ اس پر بھی ثابت قدم رہیں۔ آخر فرعون کے حکم سے تانبے کی ایک بڑی ہانڈی میں تیل گرم کیا گیا۔ ہانڈی خوب جوش مارنے لگی تو فرعون نے سپاہیوں سے کہا کہ مشاطہ کو ہانڈی کے روبرو لایا جائے۔ مشاطہ نے کھولتے ہوئے تیل کی صورت میں عذاب کا منظر دیکھا تو دل میں کہا: کوئی پرواہ نہیں! زیادہ سے زیادہ جان ہی چلی جائے گی اس سے اوپر کیا ہوگا۔

فرعون کو مشاطہ کی بے خوفی کا ادراک ہوا۔ اس بے رحم نے سوچا کہ اسے اس کے پانچوں یتیم بچے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ کیوں نہ ان کے ذریعے سے مشاطہ کے عذاب اور دردناکی میں اضافہ کیا جائے۔ اس نے پانچوں معصوم بچوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ بے خبر گول مٹول آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ ماں کو دیکھتے ہی اس سے چمٹ گئے اور رونے

لگے۔ دکھیاری ماں بھی ان کے انجام کو سوچ کر رونے لگی اور اپنے جگر گوشوں کو بے اختیار چومنے لگی۔ ننھے کو اس نے چوم کر سینے سے لگا لیا۔ سپاہیوں نے فرعون کے حکم سے بڑے بچوں کو اٹھایا اور کھولتے ہوئے تیل کی طرف چل پڑے۔ بچہ چیختا چلاتا اپنی ماں کو پکارتا اور سپاہیوں کی گرفت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا رہا اس دوران سنگدل سپاہی اسے اپنے کھردرے ہاتھوں کی پے در پے ضربوں کا نشانہ بناتے رہے۔ رنج وغلم کے مارے نڈھال ماں اسے الوداعی نظروں سے دیکھتی رہی۔ یکا یک سپاہیوں نے بچے کو ہانڈی میں اچھال دیا۔ چھوٹے بھائیوں نے اس بھیانک منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے ننھی منی ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔ جوش مارتے تیل نے آن کی آن میں معصوم کے کمزور جسم کو نگل لیا۔ ننھی ننھی سفید ہڈیاں جوش مارتے تیل کی سطح پر نمودار ہوئیں تو فرعون نے مشاطہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ اب بھی وقت ہے۔ اللہ کا انکار کر دو۔

مشاطہ نے اس کا مطالبہ سختی سے رد کر دیا۔

فرعون کو طیش آ گیا۔ اس درندہ صفت کے اشارے سے مشاطہ کے دوسرے بیٹے کو بھی تیل میں اچھال دیا گیا۔ ماں دیکھتی رہ گئی کہ اس کی بھی ننھی ہڈیاں تیل کی سطح پر آ گئیں۔ مشاطہ کے پایۂ استقلال میں ہلکی سی بھی لغزش نہ آئی۔ یکے بعد دیگرے تیسرے اور چوتھے بچے کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں جھونک دیا گیا۔ جلتے ہوئے گوشت کی بو ہر سو پھیل گئی۔ اب شیر خوار بچے کی باری تھی جو معاملے سے بے خبر ماں کی گود میں تھا۔ سپاہیوں نے اسے چھینا۔ مشاطہ کی دلدوز چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ شاید وہ ڈگمگا جاتی مگر اللہ نے اس شیر خوار بچے کو قوت گویائی عطا کی وہ بولا: پیاری ماں! صبر کرو تم حق پر ہو! اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور ماں کو بھی قرار آ گیا۔ اب مشاطہ اپنے پانچوں بچوں کو قربان کر چکی تھی۔ وہ چاہتی تو اللہ کا انکار کر کے اپنی اور اپنے بچوں کی جان بچا سکتی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اللہ نے ان کی بہتر مہمان نوازی تیار کی ہے۔ ہانڈی کے قریب پہنچ کر اچانک مشاطہ رک گئی فرعون کی طرف دیکھا اور گویا ہوئی: مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے۔ ہاں بولو:

"تم میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں ایک ہی قبر میں دفن کرنا۔" مشاطہ نے اپنی آخری خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا: چند منٹوں بعد اس کی ہڈیاں تیل کی سطح پر تیر رہی تھیں۔

یوں یہ مومن خاتون اپنے رب کے قرب و جوار میں جا بسی۔ یقین ہے کہ اللہ نے اس آزمائش پر پورا اترنے کے صلے میں مشاطہ کو نہروں والی جنت عطا کی ہوگی اور نہروں والی جنت کے بھی کیا کہنے!

(ماخوذ: روضۃ الاطفال، شمارہ نمبر ۱۵۳)

آفیسر: (سیکرٹری سے) "میرا پین کہاں ہے؟"

سیکرٹری: "سر! آپ کے کان پر لگا ہوا ہے"

آفیسر: "احمق! تمہیں معلوم نہیں کہ میں کتنا زیادہ مصروف ہوں۔ میرا وقت قیمتی ہے۔ میں کہاں تلاش کرتا پھروں، سیدھی طرح بتاؤ کہ پین میرے دائیں کان پر ہے یا بائیں پر"

مرسلہ: پرنس محمد علی خان بلوچ' لاہور

☆☆☆☆☆

ایک صاحب دوکان دار سے فرنیچر کی قیمت پر جھگڑ رہے تھے۔ بہت بحث کے بعد وہ قیمت کم کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ اُن کے دوست نے کہا:

"آخر اتنی بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ تمہیں مال اُدھار لینا تھا اور اُدھار آج تک تم نے کسی کا نمٹایا نہیں"

وہ صاحب بولے: "یار دوکان دار شریف آدمی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کا کم سے کم نقصان ہو"

مرسلہ: ابرار حسین سندھ

ماسٹر صاحب نے پوری کلاس کو کرکٹ میچ کے عنوان سے مضمون لکھنے کو کہا۔ اس پر ایک طالب علم نے صرف اتنا لکھا: "آج بارش کی وجہ سے میچ نہیں ہو سکا"

ماسٹر صاحب نے اُس کے نیچے لکھا: "جب میچ شروع ہوگا تو تمہیں نمبر مل جائیں گے"

☆☆☆☆☆

ایک آدمی خودکشی کی نیت سے ریلوے لائن پر لیٹا تھا اور ساتھ میں کینو، مالٹے اور سنگترے وغیرہ بھی موجود تھے۔ کسی نے پوچھا: "ارے بھئی! یہ کیا؟"

پہلا آدمی: "بس میں چاہتا ہوں کہ میرا کام تمام ہو جائے"

دوسرا آدمی: "اوہ اچھا! لیکن ساتھ میں یہ پھل کیوں رکھے ہیں"

پہلا آدمی: "اتنی بات نہیں سمجھ سکے، ٹرین لیٹ ہوگئی تو کھانا آپ لا کر دیں گے مجھے!"

مرسلہ: صائمہ عابد' سیالکوٹ